درس ۱۹

مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب

جہاد سے گریز کی سزا
نفاق

سورۃ المنافقون کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

نام کتاب ——— نفاق کی حقیقت (درس نمبر ۱۹)

بارِ اوّل (دسمبر ۲۰۰۲ء) ——— ۲۲۰۰

ناشر ——— ناظم نشر واشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور

مقامِ اشاعت ——— ۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

فون: ۵۸۶۹۵۰۱-۳

مطبع ——— شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور

قیمت ——— ۱۲ روپے

درس ۱۹

اِعراض عن الجہاد کی پاداش

نفاق

سورۃُ المنافقون کی روشنی میں

نفاق کی حقیقت' اس کا سبب اور اس کے درجات

سورۃ الصّف اور سورۃ الجمعہ کے بعد مطالعہ قرآن حکیم کے ہمارے اس منتخب نصاب کے حصّہ چہارم کا آخری درس سورۃ المنافقون پر مشتمل ہے۔ حسنِ اتفاق سے زیرنظر منتخب نصاب میں بھی یہ سورتیں اسی ترتیب سے شامل کی گئی ہیں جس ترتیب سے یہ مصحف میں وارد ہوئی ہیں' یعنی پہلے سورۃ الصّف' پھر سورۃ الجمعہ اور پھر سورۃ المنافقون۔ اس ترتیب میں بڑی معنویت پنہاں ہے' اس لئے کہ نفاق درحقیقت نتیجہ ہے جہاد فی سبیل اللہ سے کنی کترانے اور اس سے دامن بچانے کا۔ یہی وجہ ہے کہ نفاق کی حقیقت' اس کا اصل سبب' اس کا نقطہ آغاز' اس کی علامات' اس کے مدارج و مراتب' اس کی ہلاکت خیزی اور اس کے ساتھ ساتھ اس سے بچنے کی تدابیر' بلکہ کہیں اگر اس کی چھوت لگ گئی ہو تو اس کے علاج اور معالجے کی تدابیر' ان بہت سے موضوعات پر مشتمل یہ سورت مصحف میں بھی سورۃ الصّف اور سورۃ الجمعہ کے بعد وارد ہوئی ہے اور ہمارے اس منتخب نصاب میں بھی یہ تینوں سورتیں اسی ترتیب سے شامل ہیں۔

منافقین کی دو قسمیں

اس سے پہلے کہ سورۃ المنافقون کی آیات کا سلسلہ وار مطالعہ شروع کیا جائے' مناسب ہوگا کہ پہلے اصولاً یہ سمجھ لیا جائے کہ نفاق اصل میں ہے کیا! گویا کہ اب چند

باتیں حقیقت نفاق سے متعلق عرض کی جائیں گی۔

نفاق کے بارے میں یہ بات تو معلوم اور معروف ہے کہ منافق اسے کہتے ہیں جس کے دل میں ایمان نہ ہو لیکن وہ ایمان کا مدّعی اور ایمان کا دعوے دار ہو' گویا وہ اپنے آپ کو مسلمانوں میں شامل کراتا ہو' حالانکہ اس کا دل نورِ ایمان سے خالی ہو۔ یہ بات یقیناً صحیح ہے' لیکن اس کے بارے میں یہ عام تصوّر جو لوگوں میں پایا جاتا ہے کہ منافق صرف وہی ہوتا ہے کہ جو ابتداء ہی سے دھوکہ اور فریب کی نیت کے ساتھ اسلام میں داخل ہو' گویا کہ اسے کبھی ایمان کی کوئی رمق سرے سے نصیب ہی نہ ہوئی ہو' یہ بات پورے طور پر درست نہیں ہے۔ اس نوع کے منافق بھی یقیناً پائے جاتے تھے لیکن ایسا معاملہ بہت کم تھا۔ قرآن مجید میں یہود کی ایک سازش کا ذکر ہے کہ جب ان کی ساری مخالفتوں کے علی الرغم اور تمام تر ریشہ دوانیوں اور سازشوں کے باوجود مدینے میں اسلام کی جڑیں گہری ہوتی چلی گئیں اور نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ میں تمکّن عطا فرما دیا تو انہوں نے اسلام کی قوّت کو کمزور کرنے کے لئے ایک تدبیر سوچی۔ انہوں نے دیکھا کہ اسلام کی یہ ساکھ عرب معاشرے میں قائم ہو چکی ہے کہ جو شخص ایک بار ایمان لے آتا ہے وہ واپس نہیں پھرتا' چاہے ایمان قبول کرنے کے نتیجے میں اسے کتنی ہی تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں اور کیسی ہی مصیبتیں جھیلنی پڑیں۔ اس ساکھ کو ختم کرنے کے لئے انہوں نے یہ سازش تیار کی کہ صبح کے وقت ایمان لانے کا اعلان کرو اور شام کو انکار کر دو اور مرتد ہو جاؤ' اپنے سابق دین میں واپسی کا اعلان کر دو۔ اس طرح امید کی جا سکتی ہے کہ کچھ اور لوگ بھی لوٹ آئیں' اپنے آبائی دین کی طرف پلٹ آئیں۔ عام لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہوں گے کہ آخر یہ لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے' اندر جا کر انہوں نے ضرور کوئی ایسی غیر متوقع بات دیکھی ہو گی جس سے بدک کر یہ لوگ واپس لوٹ آئے' ممکن ہے جس اُمید میں یہ اسلام میں گئے تھے اس کے برعکس کوئی صورت وہاں نظر آئی ہو کہ انہیں لوٹنا پڑا!...... ایمان کی ساکھ کو ختم کرنے کے لئے یہود نے یہ تدبیر اختیار کی۔ اب ظاہر بات ہے کہ اس کیفیت کے ساتھ جو شخص بھی اسلام کے دائرے میں داخل ہوا اس نے اگرچہ کلمہ شہادت زبان سے ادا کیا ہو گا لیکن

اس کا یہ داخلہ ابتداء ہی سے دھوکے کے تحت ہے' ایمان کی کوئی رمق اسے کسی ایک لمحے کیلئے بھی حاصل نہیں ہوئی۔ ایسے کسی شخص نے ایک آدھا دن یا چند دن اگر اس قانونی اسلام کی کیفیت میں بسر کئے تو یقیناً ایک خالص منافق کی حیثیت سے بسر کئے ہیں۔

اس نوع کا معاملہ بعد میں بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص مسلمانوں میں جاسوس کی حیثیت سے شامل ہونے کے لئے اسی قسم کے کسی انداز میں اسلام میں داخل ہو' اور کلمۂ شہادت زبان سے ادا کرے تو ایمان سے یکسر محروم ہونے کے باوجود بھی قانونی طور پر وہ مسلمان سمجھا جائے گا۔ اور ایسا شخص تو ظاہر بات ہے کہ شعائرِ دینی کا احترام بھی عام مسلمان سے زیادہ کرے گا' اپنے آپ کو مسلمان منوانے کے لئے وہ نمازیں بھی پڑھے گا' روزے بھی رکھے گا' لیکن اس شخص کے قلب کی کیفیت کے بارے میں ہر شخص جانتا ہے کہ ایک لحظہ کے لئے بھی اسے کبھی ایمان کی روشنی نصیب نہیں ہوئی۔ تو اگرچہ اس نوع کا نفاق بھی دورِ نبویؐ میں موجود تھا لیکن اکثر و بیشتر جس قسم کے نفاق کا ذکر ہمیں قرآن مجید میں ملتا ہے اس کی نوعیت اس سے مختلف تھی۔

نفاق کا اصل سبب

اس نفاق کی اصل حقیقت کو سمجھنے کے لئے جو دورِ نبویؐ میں بالعموم پایا جاتا تھا اور جس کا قرآن حکیم میں کثرت سے ذکر ملتا ہے' یہ بات پیش نظر رکھئے کہ انسان اپنی قوتِ ارادی کے اعتبار سے مختلف کیفیات اور مختلف درجوں کے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو کسی نظریئے یا مسلک کو ہرچہ باداباد کی سی شان کے ساتھ قبول کرتے ہیں ع ہرچہ باداباد ما کشتی در آب انداختیم

کہ ہم نے کشتی دریا میں ڈال دی ہے اب جو ہو سو ہو۔ طارق بن زیادؒ نے جس کی انتہائی مثال قائم کی کہ ع

طارق چو بر کنارۂ اندلس سفینہ سوخت

ساحل اندلس پر پہنچ کر کشتیاں جلا ڈالیں کہ واپسی کا دھیان بھی کبھی نہ آئے۔ اس مزاج کے حامل لوگ ہر دَور میں دنیا میں موجود رہے ہیں' کبھی کم اور کبھی زیادہ' لیکن ایک

دوسرے مزاج کے لوگ بھی دنیا میں رہے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے جنہیں ہم کمزور طبائع کے حامل لوگ یا ضعیف قوّتِ ارادی کے مالک لوگ قرار دیتے ہیں کہ ایک خاص راستے پر چلنا چاہتے ہیں' لیکن اپنی کم ہمتی کے باعث چل نہیں پاتے۔ اس راہ میں درپیش مشکلات و موانع اور سختیوں اور آزمائشوں کے مقابلے میں قدم قدم پر ان کی ہمتیں جواب دیتی نظر آتی ہیں' ان کا جوشِ عمل سرد پڑتا ہے' وہ آگے بڑھنے کے بجائے کسی ایک مقام پر کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں یا کبھی لوٹنے کے ارادے سے چند قدم پیچھے ہٹتے ہیں تو پھر اگر کوئی آسان صورت حال سامنے آئے تو دو چار قدم آگے بڑھا لیتے ہیں' حالات کی سختی اگر برقرار رہے تو بالآخر ان میں سے بعض کے قدم پیچھے ہی ہٹتے چلے جاتے ہیں۔ یہ دونوں طبائع ہمیشہ پائی گئی ہیں اور آئندہ بھی پائی جائیں گی۔

یہ بات ذہن میں رکھئے کہ مکی دَور میں جو لوگ ایمان لائے ان کی غالب اکثریت ان لوگوں پر مشتمل تھی جو اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی حقّانیت کو پوری طرح قلبی و ذہنی طور پر تسلیم کرنے کے بعد ایمان لائے تھے۔ کلمہ شہادت زبان سے ادا کرنے سے پہلے ہی وہ ہر مصیبت کو جھیلنے کے لئے آمادہ اور ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہو چکے ہوتے تھے۔ اس لئے کہ انہیں معلوم تھا کہ اِدھر ہم نے یہ الفاظ زبان سے نکالے اُدھر مصیبتوں کے پہاڑ ہم پر ٹوٹ پڑیں گے' گھر میں اور گھر کے باہر ہر جگہ مشکلات' تکالیف اور تشدّد (persecution) کا سامنا ہوگا' لہٰذا جو آتا خوب سوچ سمجھ کر اسلام کی طرف آتا۔ لیکن یہ صورتِ حال بعد میں برقرار نہ رہی۔ مدنی دَور کے ابتدائی دو ایک سال کے بعد حالات تیزی سے بدلنے لگے۔ مدینہ منورہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو تمکّن فی الارض یعنی غلبہ عطا فرما دیا' اوس اور خزرج ہی مدینہ کے دو بڑے قبیلے تھے' دونوں ایمان لے آئے' گویا آپؐ مدینہ منورہ کے بے تاج بادشاہ ہو گئے۔ اب یہ بات نہیں رہی کہ جو ایمان لائے اس کو شدائد اور مصائب سے سابقہ پیش آتا ہو' لہٰذا کچھ کمزور طبائع نے بھی ہمت کی اور حالات کو سازگار دیکھتے ہوئے اسلام قبول کر لیا۔ واضح رہے کہ یہ لوگ بھی اسلام کی دعوت سے متاثر ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے' ان کے دل نے بھی یہ گواہی دی ہوگی کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اس کی تعلیمات

انسانی فطرت کی شہادتوں سے ہم آہنگ ہیں' اس لئے کہ اللہ پر ایمان لانا اور اس کی توحید کا اقرار کرنا فطرتِ انسانی میں شامل ہے۔ اسی طور پر فطرتِ انسانی اس بات کا بھی تقاضا کرتی ہے اور عقل اس حقیقت کو قبول کرتی ہے کہ اعمالِ انسانی کے بھرپور نتائج نکلنے چاہئیں' میزانِ عدل نصب ہونی چاہئے اور اس کے مطابق جزا و سزا ہونی چاہئے۔ حشر و نشر اور جنت و دوزخ ان سب حقیقتوں کو ذہن قبول کرتا ہے۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی سیرت و کردار اور ایک خورشید تاباں و درخشاں کی مانند آپؐ کی شخصیت بھی لوگوں کے سامنے تھی اور آپؐ کی حقانیت کی گواہی بھی لوگوں کے دل کی گہرائیوں سے پھوٹتی تھی' چنانچہ لوگ آئے' ایمان قبول کرلیا۔ لیکن جیسے جیسے ایمان کے عملی تقاضے سامنے آنے لگے' جان اور مال کھپانے کے مطالبے شدت پکڑنے لگے تو ضعیف الارادہ اور کم ہمت لوگوں کے لئے اسلام اور ایمان کے راستے پر چلنا مشکل ہوتا گیا۔ سورۃ الصّف کی آخری آیت ذہن میں لایئے! اللہ کے دین کے غلبے کے لئے نبی اکرم ﷺ کی نصرت کا مطالبہ کس زوردار انداز میں آیا ہے:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ط﴾

اللہ کی راہ میں جان و مال کھپانے کے پُرزور مطالبے پر مبنی سورۃ الصّف کی آیات ۱۰ اور ۱۱ کو بھی ذہن میں لایئے:

﴿هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ٥ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ط﴾

اور پیچھے چلئے' سورۃ الحجرات کی آیت ۱۵ ہم پڑھ آئے ہیں جس میں جہاد فی سبیل اللہ کو ایمان کا لازمی تقاضا قرار دیا گیا:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ٥﴾

یہ تقاضے نہایت کٹھن ہیں' جان اور مال دونوں انسان کو بہت عزیز ہیں' بلکہ بسا اوقات انسان کا مزاج یہ بن جاتا ہے کہ جان چلی جائے' مال نہ جائے۔ چنانچہ ایسے کمزور طبائع

کے حامل لوگوں کو دنیا اور اس کی آسائشیں چھوڑ کر جہاد و قتال کے راستے پر جانا بہت دشوار معلوم ہوتا' بقول جگر مراد آبادی:

تپتی راہیں مجھ کو پکاریں
دامن پکڑے چھاؤں گھنیری

دو بلیغ تمثیلیں

ایسے لوگوں کے لئے سورۃ الحج میں بڑی پیاری تشبیہ وارد ہوئی ہے۔ فرمایا: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ﴾ کہ لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کنارے رہ کر اللہ کی بندگی کرنا چاہتے ہیں۔ ایک وہ ہے جو ہر چہ بادا باد کا نعرہ لگا کر منجدھار میں کودنے کے لئے آمادہ ہے اور ایک وہ ہے جو کنارے کنارے چلنا چاہتا ہے' اپنی جان اور مال کو بچا بچا کر رکھنا چاہتا ہے' اگرچہ

آسودۂ ساحل تو ہے مگر شاید یہ تجھے معلوم نہیں
ساحل سے بھی موجیں اٹھتی ہیں خاموش بھی طوفاں ہوتے ہیں

کے مصداق کنارے پر بھی انسان پر کوئی مصیبت آ سکتی ہے۔ لیکن بہرحال منجدھار کے مقابلے میں دریا کا کنارہ آرام و آسائش اور عافیت کا ایک گوشہ ہے۔ اسی مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا: ﴿فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ نِ اطْمَاَنَّ بِهٖ﴾ کہ اگر اسے خیر پہنچتا رہے' سہولتیں میسر رہیں تو مطمئن رہتا ہے ﴿وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ نِ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ﴾ اور اگر کوئی آزمائش آ پڑی' کوئی کٹھن مرحلہ درپیش ہوا یا جان اور مال کے لگانے کا کوئی تقاضا سامنے آیا تو پھر وہ اوندھے منہ گر کر رہ جاتا ہے۔ فرمایا: ﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ﴾ یہ دنیا اور آخرت دونوں کا خسارہ ہے۔ ایسے شخص کی دنیا بھی برباد ہوئی اور آخرت بھی۔ ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝﴾ یہ ہے واضح اور صریح خسارہ۔

یہی مضمون سورۃ البقرۃ کے دوسرے رکوع میں بھی آیا ہے۔ وہاں تین قسم کے انسانوں کا ذکر ہوا ہے۔ ایک وہ متقی اور خدا ترس لوگ جو قرآن حکیم سے صحیح طور پر استفادہ کرنے کے اہل ہیں۔ دوسرے وہ لوگ جن کی مسلسل ہٹ دھرمی اور ضد کے

باعث ان کے دلوں پر مہریں لگ چکی ہیں اور قرآن کی ہدایت اب ان کے حق میں قطعاً مفید نہیں۔ تیسرا طبقہ ان دونوں کے بین بین ہے۔ آیت ۸ میں ان کا تذکرہ ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو مدّعی ہیں اس بات کے کہ ہم ایمان لے آئے اللہ پر اور یومِ آخر پر درانحالیکہ وہ فی الواقع مؤمن نہیں ہیں۔ ذرا آگے چل کر اسی دوسرے رکوع میں ان کے لئے ایک تمثیل بیان کی گئی:

﴿اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾

یہ ایک مرکب تمثیل ہے۔ رات کا وقت ہے' موسلا دھار بارش ہو رہی ہے' بادلوں کی گھن گرج اور بجلی کی کڑک اور چمک نے ماحول کو ہیبت ناک بنا دیا ہے' کچھ کم ہمت اور بزدل لوگ اس طوفان میں گھرے ہوئے ہیں۔ کڑک سے ان کی جان نکلی جا رہی ہے۔ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونسے ہوئے وہ خوف و دہشت کی تصویر بنے کھڑے ہیں۔ جیسے ہی بجلی کی چمک سے ماحول تھوڑی دیر کے لئے منور ہوتا ہے تو وہ ہمت کر کے دو چار قدم آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اور جب ماحول پھر تاریک ہو جاتا ہے تو کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔

نفاق کا آغاز

اس تمثیل میں ایک خاص انسانی کردار کا مکمل نقشہ موجود ہے۔ حالات سازگار اور موافق ہوئے تو ایمان اور اسلام کے راستے پر چلتے رہے' لیکن جب آزمائش کا وقت آیا' جہاد اور قتال فی سبیل اللہ کی کڑک اور گھن گرج سنائی دی' جان و مال کے ایثار کا کٹھن مطالبہ سامنے آیا تو ٹھٹھک کر کھڑے ہو گئے' کمرِ ہمت ٹوٹ کر رہ گئی۔ یہ کیفیت

درحقیقت مرضِ نفاق کا آغاز ہے۔ یہ اس مہلک مرض کا starting point ہے۔البتہ یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ اس کیفیت کے ابتدائی مراحل کوقرآن نفاق قرار نہیں دیتا۔نفاق سے پہلے ایک منزل ضعف ایمان کی ہے کہ ایمان ابھی اس درجے پختہ نہیں ہوا کہ انسان کا عمل پورے طور پراس کے تابع ہوسکے۔ چنانچہ عمل میں بھی کمی اور کوتاہی کا صدور ہوتا رہتا ہے‘ لیکن ضعفِ ایمانی کی اس کیفیت کا یہ ایک لازمی امر ہے کہ انسان اپنی خطا کا اعتراف کرتا ہے‘ جھوٹے بہانے نہیں بناتا بلکہ اپنی غلطی اور کوتاہی کو صاف تسلیم کر لیتا ہے‘ اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواستگار ہوتا ہے‘ نبی ﷺ سے بھی معذرت کرتا ہے اور استدعا کرتا ہے کہ میرے لئے اللہ سے استغفار کیجئے۔ جب تک یہ صورت برقرار رہے اسے نفاق نہیں کہا جائے گا بلکہ اسے ضعفِ ایمان سے تعبیر کیا جائے گا۔لیکن اس سے اگلا قدم یہ ہے کہ انسان اپنی کمزوریوں پر پردے ڈالنے لگے‘ جھوٹے بہانوں کو اپنی بے عملی کے لئے آڑ اور ڈھال کے طور پر استعمال کرنے لگے‘ تو یہاں سے یوں سمجھئے کہ نفاق کی سرحد شروع ہوگئی‘ مرضِ نفاق کے پہلے مرحلے کا آغاز ہوگیا۔

نفاق ایک روگ ہے

جس طرح یہ بات عام طور پر معروف ہے کہ ٹی بی کی تین stages ہوتی ہیں‘ اسی طرح یہ جان لیجئے کہ مرضِ نفاق کے بھی تین درجے یا تین مرحلے ہیں۔اور یہ عجیب بات ہے کہ قرآن مجید نے نفاق کو بھی ایک روگ اور مرض قرار دیا ہے۔سورۃ البقرۃ کے دوسرے رکوع میں فرمایا: ﴿فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾ ’’ان کے دلوں میں ایک روگ ہے‘ پس اللہ نے اس روگ میں اضافہ فرمادیا‘‘ —— اور یہ اللہ تعالیٰ کی مستقل سنت اور طے شدہ ضابطہ ہے کہ اگر تم ہدایت کی طرف آؤ گے تو تمہاری ہدایت میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا اور اگر گمراہی کا راستہ اختیار کرو گے تو گمراہی اور ضلالت کے راستے کھلتے چلے جائیں گے۔ بے حیائی کی طرف اگر تم رخ کرو گے تو بے حیائی کے کاموں میں بڑھتے چلے جاؤ گے۔جن گھرانوں کے بارے میں آج

سے پچاس سال پہلے یہ تصور نہیں ہو سکتا تھا کہ ان کی خواتین کی کوئی جھلک بھی کوئی دیکھ پائے گا' جو حفیظ کے اس شعر کا مصداق کامل تھیں کہ ع

چشمِ فلک نے آج تک دیکھی نہ تھی ان کی جھلک

اب انہی گھرانوں کی بیٹیاں اور پوتیاں قریباً نیم عریاں لباس میں سڑکوں پر چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔ یہ سب کچھ تدریجاً ہوا ہے۔ ایک برائی اگلی دس برائیوں کی راہ ہموار کرتی ہے۔ تو اللہ کی سنت اور اس کا دستور یہی ہے کہ ہدایت کی طرف آؤ گے تو وہ اس کے راستے کھول دے گا (فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى) برائی کی طرف جاؤ گے' بے حیائی کا راستہ اختیار کرو گے تو اس میں آگے بڑھتے چلے جاؤ گے' اللہ تعالیٰ اس راستے کو تمہارے لئے آسان بنا دیں گے (فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى) اسی طرح اگر نفاق کا راستہ اختیار کرو گے تو اسی راہ میں بڑھتے چلے جاؤ گے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کا ذکر اس آیت مبارکہ میں ہے: ﴿فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾

مرضِ نفاق کے تین درجے

تو آیئے کہ اب ہم دیکھیں کہ نفاق کے تین درجات کون کون سے ہیں۔ پہلا درجہ یا پہلی stage یہ ہے کہ انسان اپنی عملی کوتاہی اور غلط روی پر پردہ ڈالنے کے لئے جھوٹ کا سہارا لینا شروع کر دے۔ حدیثِ نبویؐ میں بھی منافق کی نشانیوں میں جھوٹ کا بطور خاص ذکر ملتا ہے۔ فرمایا: ((آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ)) ''منافق کی تین نشانیاں ہیں'' اور پہلی نشانی آپؐ نے یہ بیان فرمائی: ((اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ)) کہ جب بولے جھوٹ بولے۔ یہ اس کی نمایاں ترین علامت ہے۔ تو جھوٹ بول کر اور جھوٹے بہانوں کے ذریعے اپنی کوتاہی اور اپنی تقصیر پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرنا مرضِ نفاق کا اوّلین درجہ ہے۔

پھر اس کذب بیانی اور دروغ گوئی میں جب جھوٹی قسموں کا اضافہ ہوتا ہے تو اب گویا یہ اس مرض کے اگلے مرحلے کا آغاز ہے۔ سورۃ المنافقون میں آپ دیکھیں گے کہ اسی مضمون سے سورۃ کا آغاز ہوا ہے: ﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ﴾ ''(اے نبیؐ!) جب یہ منافقین آپ کی خدمت میں حاضر

ہوتے ہیں تو گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں"—— اسی سلسلۂ مضمون میں آگے یہ الفاظ آئے: ﴿اِتَّخَذُوْا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً﴾ کہ ان منافقین نے اپنی قسموں کو اپنے لئے ڈھال بنالیا ہے۔

ایک اہم نفسیاتی حقیقت

تیسرا مرحلہ اس کے بعد ہے' لیکن اسے سمجھنے کے لئے ایک اہم نفسیاتی حقیقت کا جاننا بہت ضروری ہے۔ یہ ایک عام نفسیاتی حقیقت ہے کہ اگر آپ عمل کے میدان میں پیچھے رہ گئے ہوں تو وہ لوگ آپ کو ایک آنکھ نہیں بھاتے جو اپنی ہمت کی بدولت آپ سے آگے نکل گئے ہوں۔ آپ کی خواہش یہ ہوگی کہ وہ بھی پیچھے رہ جائیں' اس لئے کہ ان کے آگے بڑھنے نے ہماری کمزوری کو مزید نمایاں کر دیا۔ اگر ہم سب کے سب کھڑے رہ جاتے اور کوئی بھی ہمت اور جرأت کا مظاہرہ نہ کرتا تو سب کے سب ایک ہی درجے میں آجاتے۔ نتیجتاً اس سے ان کم ہمت لوگوں کے دلوں میں ان مؤمنین و صادقین کے لئے کہ جو غلبہ و اقامتِ دین کے لئے جان اور مال کی بازیاں کھیل رہے ہوتے ہیں' نفرت اور عداوت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان لوگوں کے خلاف دشمنی کے جذبات سینوں میں پروان چڑھنے لگتے ہیں جو ایمان کے تقاضوں کے جواب میں آگے بڑھ کر اس شان سے لبیک کہنے والوں میں ہوں کہ اگر مال کا مطالبہ ہے تو جو میسر ہے حاضر ہے' جان کا تقاضا ہے تو سربکف حاضر ہیں۔ سچے اہل ایمان اور ان کی سرفروشیوں کے خلاف اگر یہ احساسات اور جذبات پیدا ہونے لگیں تو جان لیجئے کہ یہ مرضِ نفاق کی وہ تیسری اور آخری منزل ہے جو ناقابل علاج ہے۔ اب اس مرض سے رستگاری کی کوئی صورت موجود نہیں! تو یہ ہے درحقیقت نفاق کا نقطۂ آغاز' اس کا اصل سبب اور اس مہلک مرض کے مختلف مراحل و مدارج۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نفاق کی ہر صورت سے محفوظ رکھے' آمین!

لفظ "نفاق" کی لغوی بحث

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ نفاق کے لفظی معنی کیا ہیں! جیسا کہ کئی مرتبہ عرض کیا

جا چکا ہے' اکثر عربی الفاظ کا ایک سہ حرفی مادہ ہوتا ہے۔ لفظ نفاق کا مادہ ''ن ف ق'' ہے۔ عربی زبان میں اس کے دو بنیادی لغوی استعمالات ہیں اور دونوں کے اعتبار سے قرآن مجید کی دو بالکل مختلف اصطلاحات وجود میں آئی ہیں' اگرچہ ان دونوں میں ایک بڑا لطیف ربط ہے' جس کی طرف بعد میں اشارہ ہوگا۔ ''نَفَقَ الْفَرَسُ'' اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے بولا جاتا ہے کہ گھوڑا مر گیا' جیسے ہم کہتے ہیں مر کھپ گیا ـــــ ''نَفِقَتِ الدَّرَاھِمُ'' کا معنی ہے پیسے ختم ہو گئے۔ اسی مادہ سے باب اِفعال میں لفظ ''اِنفاق'' بنا ہے' یعنی خرچ کر دینا' کھپا دینا' لگا دینا۔ انفاق فی سبیل اللہ کا مفہوم ہوگا اللہ کی راہ میں لگا دینا' کھپا دینا' خرچ کر دینا' صَرف کر دینا۔ ہمارے اس منتخب نصاب میں یہ لفظ سورۃ التغابن میں آ چکا ہے: ﴿وَاَنْفِقُوْا خَیْرًا لِاَنْفُسِکُمْ﴾ ''اور خرچ کرو' اسی میں تمہارے لئے بہتری ہے''۔ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور لگا دینا ہی تمہارے حق میں خیر اور بھلائی ہے۔ اور اس ضمن میں تعلیم دی گئی کہ اپنا بہتر سے بہتر مال خرچ کرو: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ کہ تم نیکی کو حاصل نہ کر سکو گے' مرتبۂ بر تک نہ پہنچ پاؤ گے جب تک کہ خرچ نہ کرو وہ چیز جو تمہیں محبوب ہے۔ اور فرمایا گیا کہ جب تک کہ جی کے اس لالچ سے رستگاری حاصل نہ کرو گے فلاح نہ پاؤ گے۔ سورۃ التغابن میں انفاق کے حکم کے فوراً بعد فرمایا: ﴿وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ٥﴾ ''اور جو کوئی جی کے اس لالچ سے بچالیا گیا تو فلاح تک پہنچنے والے صرف وہی لوگ ہیں''۔ چنانچہ ایک یہ اصطلاح ''انفاق'' ہے جو ''ن ف ق'' کے مادے سے اخذ کی گئی ہے۔

اب اسی مادے سے اخذ کردہ دوسری اصطلاح کی طرف آیئے! ''نَفَق'' بطورِ اسم ایک اور معنی میں آتا ہے۔ اس کے معنی ہیں ''سرنگ''۔ چنانچہ سورۃ الانعام میں یہ لفظ بایں طور آیا ہے:

﴿وَاِنْ کَانَ کَبُرَ عَلَیْکَ اِعْرَاضُھُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَآءِ فَتَاْتِیَھُمْ بِاٰیَةٍ ط﴾ (آیت ۳۵)

کہ اے نبیؐ! یہ کفار و مشرکین آپ سے جس قسم کے حسی معجزات کا مطالبہ کر رہے ہیں'

اللہ کی حکمت ان کے ظہور کی متقاضی نہیں ہے' اللہ کا فیصلہ ہے کہ اس قسم کے معجزات ان کو نہیں دکھائے جائیں گے ——— لیکن بالفرض اگر آپ پر اِن کا یہ اعراض وانکار بہت شاق گزر رہا ہے تو اگر آپ کے لئے ممکن ہے تو کہیں زمین میں سے کوئی سرنگ لگا کر یا آسمان پر سیڑھی لگا کر ان کی مطلوبہ نشانیوں میں سے کوئی نشانی انہیں لاکر دکھا دیجئے!
اسی ''ن ف ق'' سے ایک اور لفظ بنا ہے۔ عربی زبان میں ''نافقاء'' گوہ کے بل کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ذی حیات کو کچھ نہ کچھ شعور بخشا ہے۔ گوہ ایک حقیر سا جانور ہے' لیکن اس میں اپنے تحفظ کا مادہ اتنا قوی ہے کہ وہ اپنا بل سرنگ کی مانند بناتا ہے جس کے دو منہ ہوتے ہیں' تاکہ اگر کوئی شکاری کتا کسی ایک رُخ سے داخل ہو تو وہ اپنی جان بچانے کے لئے دوسرے منہ سے نکل بھاگے اور اگر اُدھر سے کوئی خطرہ ہو تو اِدھر سے نکلنے کی کوئی سبیل رہ جائے۔ یہی لفظ منافقت کی لغوی اصل ہے جس پر کہ قرآن مجید کی یہ اصطلاح مبنی ہے۔

منافقت کیا ہے؟

سرسری مفہوم میں منافق وہ ہے جس کے دو رُخ ہیں۔ وہ ایمان سے بھی ایک تعلق رکھتا ہے اور کفر سے بھی۔ چنانچہ منافقین کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ﴾ (البقرة:١٤)

کہ جب اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی صاحب ایمان ہیں' ہم بھی ایمان لائے ہیں۔ اور جب اپنے شیطانوں یعنی اپنے سرغنوں سے ملتے ہیں تو اُن سے کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ہی ساتھ ہیں' مسلمانوں سے تو ہم استہزاء کر رہے ہیں' ان کا مذاق اڑا رہے ہیں' ہمارا ایمان کا دعویٰ محض تمسخر اور دل لگی کے سوا کچھ نہیں۔

منافقین کی اس نفسیاتی کیفیت کو سورۃ النساء میں اس طرح بیان فرمایا گیا:

﴿مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ﴾ (آیت ۱۴۳)

کہ یہ مذبذب ہو کر رہ گئے ہیں' معلق ہو کر رہ گئے ہیں' نہ اِدھر یکسو ہیں نہ

اُدھر یکسو۔

یہ دوُرخاپن اور دو جانب تعلق رکھنے کا طرزِ عمل دراصل انسان اپنے تحفظ' اپنی جان اور مال کے بچاؤ اور اپنی دنیا کو کسی نہ کسی طور سے بچالینے کے لئے اختیار کرتا ہے کہ کسی طرف بھی اپنے آپ کو مکمل طور پر identify نہ کرے۔ ایک وابستگی کا وہ انداز ہوتا ہے کہ اگر یہ کشتی تیرتی ہے تو ہم تیریں گے' ڈوبتی ہے تو ہم بھی ساتھ ہی ڈوبیں گے۔ اور ایک یہ رویہ ہے کہ ہمیں تو بہرصورت اپنا تحفظ کرنا ہے' لہٰذا کشتیاں جلانی نہیں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اِن کا پلڑا بھاری ہو جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اُن کو بالادستی حاصل ہو جائے' لہٰذا دونوں سے بنا کر رکھو۔

یہ تو ہوا اُس دوُرخے پن کا وہ ایک ظاہری سا نقشہ کہ جس کی مناسبت ہے اس لفظ ''نفق'' اور ''نافقاء'' سے۔ لیکن ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس میں جو اصل جذبہ کارفرما ہے وہ جان و مال کے بچاؤ کا ہے۔ حالانکہ ہونا تو یہ چاہئے' بقول علامہ اقبال کہ۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اِسے' ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں!

ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ اپنا سب کچھ لگا دو اور کھپا دو۔ اگر اللہ پر ایمان لائے ہو' اس کے رسولؐ پر ایمان کے دعوے دار ہو تو اللہ کے دین کے غلبے اور اس کے رسولؐ کے مشن کی تکمیل کے لئے اپنی قوّتوں اور توانائیوں کو صرف کر دینا ایمان کا لازمی تقاضا ہے' اس لئے کہ ایمان تو بندے اور ربّ کے درمیان ایک قول و قرار کا نام ہے۔ سورۃ التوبۃ میں اس کو یوں تعبیر فرمایا گیا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ﴾ (آیت ۱۱۱)

''بے شک اللہ نے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے میں خرید لئے ہیں''۔

یہ بیع وشراء ہو چکا ہے۔ جان و مال اسی دنیا میں اللہ اور اس کے دین کے لئے لگا دو اور کھپا دو' اس کے عوض آخرت میں اللہ تمہیں جنت عطا فرمائے گا۔ تو جان لو کہ اب

یہ جان اور مال تمہارے پاس اللہ کی امانت ہیں' غلبہ و اقامت دین کی جدوجہد میں جب جان و مال کے ایثار کی ضرورت پیش آئے انہیں اللہ کی راہ میں نچھاور کر دو۔ یہ ہے ایمان کا تقاضا۔ اسی لئے سورۃ الحجرات میں ایمانِ حقیقی کے بیان میں لفظ صدق کو نمایاں کیا گیا ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۝﴾ (آیت ۱۵)

''حقیقی مؤمن تو بس وہی ہیں جو ایمان لائیں اللہ اور اس کے رسولؐ پر اور پھر شک میں نہ پڑیں' اور وہ جہاد کریں اپنے اموال کے ساتھ اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں' یہی لوگ (اپنے دعوائے ایمان میں) سچے ہیں''۔

اور یہی وجہ ہے کہ سورۃ الاحزاب میں اس صدق پر مبنی طرزِ عمل کی طرف توجہ بایں الفاظ دلائی گئی ہے: ﴿رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ﴾ ''وہ جواں مرد کہ جنہوں نے جو عہد اپنے ربّ سے کیا تھا اسے پورا کر دکھایا''۔ اس عہد میں کوتاہی' اس کے تقاضوں کو ادا کرنے سے پہلوتہی' اس سے کنی کترانا' اس میں پیچھے ہٹنا نفاق کا ایک سبب ہے۔ اس کے لئے ایک بڑی واضح اور مؤثر مثال سورۃ التوبہ میں آئی ہے۔ فرمایا:

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۝﴾ (آیت ۷۵)

''اور ان میں سے کچھ لوگ وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے ایک عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل میں سے کچھ عطا فرمائے گا (یعنی رزق میں کشادگی فرمائے گا اور ہمیں تونگری عطا فرمائے گا) تو ہم صدقہ کریں گے (اس کے دین کی راہ میں زیادہ سے زیادہ انفاق کریں گے) اور ہم صالحین میں سے ہو جائیں گے۔''

﴿فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۝﴾ (آیت ۷۶)

''لیکن جب اللہ نے اپنے فضل میں سے انہیں عطا کیا (انہیں غنی کر دیا) تو اب وہ اس کے ساتھ بخل کر رہے ہیں (مال کو سینت سینت کر رکھ رہے ہیں) اور اپنے اس عہد سے منہ موڑ رہے ہیں اور پیچھے ہٹ رہے ہیں۔''

اس سے اگلی آیت میں وہ الفاظ آ رہے ہیں جن کے لئے میں نے اس آیت کا حوالہ دیا' اور جو نفاق کے اصل سبب کو واضح کر رہے ہیں:

﴿فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ٥﴾ (آیت ۷۷)

''تو اللہ تعالیٰ نے (ان کے اس طرزِ عمل کی پاداش میں سزا کے طور پر) ان کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا اس دن تک کہ جب وہ اس سے ملاقات کریں گے' اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے''۔

نفاق کا اصل سبب

قرآن مجید میں سورۃ التوبۃ اور سورۃ الاحزاب میں منافقت اور منافقین کے بارے میں بڑے طویل مباحث آئے ہیں' لیکن اکثر و بیشتر قرآن کا پڑھنے والا ان پر سے یہ سمجھ کر گزر جاتا ہے کہ یہ تو صرف وہ لوگ تھے جو محض دھوکہ دینے کے لئے اہل ایمان میں داخل ہوئے تھے۔ حالانکہ بات صرف یہی نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بھی ایک نوع کا نفاق تھا' لیکن درحقیقت دورِ نبویؐ میں جو نفاق پیدا ہوا اس کا اصل سبب اعراض عن الجہاد تھا' یعنی جان و مال کے کھپانے سے کنی کترانا۔ ایمان محبوب ہے لیکن کفر سے بھی مفادات وابستہ ہیں' آخرت بھی مطلوب ہے' لیکن دنیا بھی ہاتھ سے دینے کو تیار نہیں۔ تو یہ دو کشتیوں کی سواری درحقیقت نفاق کی بنیاد ہے۔ اگر بات وہ ہے کہ ع ''ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم'' تو یہ ہے صدقہ' یہ ہے سچا ایمان۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ الفاظ ہم نے پڑھے ہیں کہ: ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ اور ﴿رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ﴾ اس کے برعکس اپنے اس عہد میں جھوٹا ہونا' اس میں پیچھے قدم ہٹانا ہی دراصل کذب اور نفاق ہے۔

معنی کے پس منظر میں بھی دیکھا جائے تو نفاق کی اصل جڑ اور بنیاد درحقیقت جہاد فی سبیل اللہ سے کنی کترانا ہے۔

منافق کی علامات

لفظ کذب کے حوالے سے نفاق کے ضمن میں یہ بات بھی نوٹ کر لیجئے کہ نبی اکرم ﷺ نے منافق کی جو علامتیں بیان فرمائی ہیں ان میں کذب کو سرفہرست رکھا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

((آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ : إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ)) (۱)

''منافق کی تین نشانیاں ہیں: (۱) جب بات کرے جھوٹ بولے۔ (۲) جب وعدہ کرے خلاف ورزی کرے اور (۳) جب اس کے پاس کوئی چیز بطورِ امانت رکھوائی جائے تو خیانت کرے۔''

یہاں چونکہ معاملہ اس نوع کے نفاق کا نہیں ہے جو ذہنوں میں بیٹھا ہوا ہے کہ منافق تو اسے کہتے ہیں جس نے مسلمانوں اور اسلام کو زک پہنچانے کے لئے سازش کے طور پر اسلام کا لبادہ اوڑھا ہو' لہٰذا اس حدیث کی تشریح میں بالعموم علماء کرام نفاق کی دو قسمیں بیان کرتے ہیں کہ ایک ہے نفاقِ اعتقادی اور دوسرا نفاقِ عملی۔ ان کی توجیہہ کے مطابق اس حدیث میں نفاقِ عملی کا تذکرہ ہے' نفاقِ اعتقادی کا نہیں۔ بہرکیف اس بحث سے قطع نظر آنحضور ﷺ کا فرمان یہ ہے کہ یہ تین اوصاف وہ ہیں کہ جو اگر کسی کی طبیعت میں راسخ ہو جائیں تو وہ پکا منافق ہے۔ ہاں اگر کبھی کسی وقت جھوٹ کا ارتکاب ہو جائے یا کبھی کسی وقت وعدہ خلافی ہو جائے تو یہ چیز نفاق کے ذیل میں نہیں آئے گی۔

یہ مضمون ایک اور متفق علیہ حدیث میں اس سے بھی زیادہ مؤکدہ شکل میں آیا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: ((اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا)) کہ چار خصلتیں ایسی ہیں کہ جس کسی میں وہ چاروں موجود ہوں تو وہ شخص منافق ہے' پکا اور کٹر منافق! ایک روایت میں یہ اضافی الفاظ بھی آئے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ((وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ اَنَّهُ مُسْلِمٌ)) خواہ وہ شخص روزہ رکھتا ہو' خواہ نماز پڑھتا ہو اور خواہ اسے خود بھی یہ زعم ہو اور وہ یہ خیال کرتا ہو کہ میں مسلمان ہوں۔ لیکن اگر یہ چاروں وصف اس میں موجود ہیں تو وہ پکا منافق ہے۔ اس حدیث میں ان تین باتوں کے علاوہ

جن کا ذکر پچھلی حدیث میں تھا' چوتھی چیز آپ ؐ نے یہ گنوائی: ((وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ)) کہ جب کہیں کوئی جھگڑا ہو تو وہ آپے سے باہر ہو جائے' نہ زبان پر کنٹرول رہے نہ جذبات پر۔ یہ چوتھا وصف یا چوتھی علامت ہے منافق کی۔ حضور ﷺ نے اس حدیث میں مزید وضاحت فرمائی کہ جس میں یہ چاروں خصلتیں جمع ہیں وہ تو کٹر منافق ہے اور جس میں ان میں سے کوئی ایک وصف پایا جاتا ہے اس میں اسی مناسبت سے نفاق موجود ہے۔ یہ ہے نفاق کی حقیقت از روئے قرآن و حدیث!

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اب ایک بات اور جان لیجئے۔ ایک خیال یہ بھی عام لوگوں کے ذہنوں میں بیٹھ گیا ہے اور بعض روایات سے غلط طریقے پر یہ نتیجہ اخذ کر لیا گیا ہے کہ نفاق تو بس دورِ نبویؐ ہی میں تھا' اس کے بعد اب نفاق کہیں موجود نہیں ہے۔ حالانکہ یہ تو ایک ایسا نفسیاتی مرض ہے کہ کوئی انسانی معاشرہ کبھی اس سے خالی نہیں رہا۔ ہر انسانی جدوجہد میں تین طرح کے طبقات ہمیشہ موجود رہے۔ ایک وہ کہ جو کسی نئی دعوت کو یا نظریئے کو کھلم کھلا قبول کرتے ہیں' ہر چہ بادا باد کی شان کے ساتھ۔ دوسرے وہ جو کھلم کھلا مخالفت کرتے ہیں اور اس دعوت یا جدوجہد کا راستہ روکنے کے لئے میدان میں آ جاتے ہیں۔ ایک تیسرا طبقہ وہ ہوتا ہے کہ وہ کسی جانب یکسو نہیں ہوتا' بلکہ اِدھر والوں سے بھی بنا کر رکھنا چاہتا ہے اور اُدھر بھی اپنے روابط برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسے ہر قیمت پر اپنا تحفظ مطلوب ہوتا ہے کہ اگر اونٹ اِس کروٹ بیٹھ جائے تب بھی ہمارے لئے بچاؤ کا کوئی راستہ رہ جائے اور اگر کہیں اُس کروٹ بیٹھے تب بھی ہمارے لئے مکمل تباہی نہ ہو! — اس کیفیت کو قرآن ''تربص'' سے تعبیر کرتا ہے اور یہی درحقیقت نفاق کی بنیاد ہے۔ سورۃ الحدید میں جہاں نفاق کی اصل حقیقت اور اس کے اسباب کا بیان ہے' وہاں یہ لفظ آیا ہے۔ اسی طرح سورۃ التوبہ کی آیت ۲۴ میں بھی' جس کا حوالہ اس سے قبل دیا جا چکا ہے' یہ لفظ ہمارے مطالعہ میں آ چکا ہے' کہ اے نبی! ان مسلمانوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اپنے باپ اور اپنے بھائی اور اپنے بیٹے اور اپنی بیویاں اور اپنے رشتے دار اور

اپنے وہ مال جو تم نے جمع کئے ہیں اور اپنے کاروبار جو تم نے بڑی محنت سے جمائے ہیں اور جن کے مندا پڑنے کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے اور اپنی جائیدادیں جو تمہیں بہت محبوب ہیں' اگر یہ تمام چیزیں محبوب تر ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد سے تو جاؤ حالت تربص میں رہو' انتظار کرو! —— یہاں اسلوب میں غیظ و غضب نمایاں ہے اور الفاظ یہ ہیں: ﴿فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝﴾ ''جاؤ' انتظار کرو' یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سنا دے اور اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

نفاق کا اندیشہ کسے لاحق ہوتا ہے؟

نفاق کے بارے میں ایک اور بات جو لائق توجہ ہے اور نبی اکرم ﷺ کی ایک بڑی ہی حکمت افروز حدیث بھی اس ضمن میں ملتی ہے کہ مرض نفاق کے حملے کا اصل خوف مؤمن ہی کو لاحق ہوتا ہے' منافق اس سے اندیشہ محسوس نہیں کرتا' اس لئے کہ وہ تو اس بیماری کے چنگل میں جکڑا جا چکا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

((مَا خَافَهُ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا اَمِنَهُ اِلَّا مُنَافِقٌ)) (۲)

''کہ اس مرضِ نفاق سے صرف مؤمن ہی اندیشہ محسوس کرتا ہے اور اس سے خود کو محفوظ و مامون صرف منافق ہی سمجھتا ہے''۔

ظاہر بات ہے کہ ڈرے گا وہی جس کی گٹھڑی میں مال ہوگا۔ چنانچہ جس کے پاس ایمان کی کچھ پونجی موجود ہوگی وہی اس کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ محسوس کرے گا اور جس کی پونجی لٹ چکی ہو' اسے اب کاہے کا خوف! ع ''رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو''۔

احادیث مبارکہ سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ گناہ اور غلطی اگرچہ مؤمن سے بھی صادر ہو جاتی ہے لیکن مؤمن کے احساس کی شدت کا عالم یہ ہوتا ہے کہ اگر اس سے کوئی گناہ صادر ہو جائے تو وہ یوں محسوس کرتا ہے کہ جیسے وہ ایک پہاڑ تلے دب گیا ہو یا پہاڑ کا سا بوجھ اس کے سر پر آ گیا ہو۔ اس کے برعکس منافق سے جب کوئی اس طرح کا

معاملہ صادر ہوتا ہے تو ایک ہلکا سا احساسِ تقصیر تو اسے بھی ہوتا ہے لیکن بس اتنا کہ جیسے کسی کی ناک پر ایک مکھی بیٹھی تھی اور اس نے اسے اڑا دیا۔ اس شدتِ احساس کی آخری درجے میں کیفیت کا مشاہدہ اگر کرنا ہو تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معاملہ ذہن میں لایئے۔ ان کے بارے میں نبی اکرم ﷺ یہ گواہی دیتے ہیں کہ جس راستے سے عمر کا گزر ہوتا ہے اس راستے سے شیطان کنی کترا جاتا ہے۔ حق و باطل میں فرق کر دینے والے اس عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) کے شدت احساس کا عالم یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے، جنہیں حضور ﷺ نے بطورِ راز کچھ منافقین کے نام بتا دیئے تھے اور جو صاحب سر النبی مشہور تھے، حضرت عمرؓ اللہ کی قسم دے کر پوچھتے ہیں کہ اے حذیفہ! میں اللہ کی قسم دے کر تم سے یہ سوال کرتا ہوں کہ کہیں میرا نام تو ان منافقین میں شامل نہیں تھا! یہ ہے شدّتِ احساس!

اسی کا نقشہ ایک انصاری صحابی حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعے میں سامنے آتا ہے۔ وہ ایک بار ایک عجیب کیفیت میں گھر سے نکلے۔ زبان سے یہ الفاظ نکل رہے تھے: نافَقَ حنظلة ' نافَقَ حنظلة ' نافَقَ حنظلة کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا' حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راستے میں ملاقات ہوئی۔ انہوں نے سوال کیا کہ معاملہ کیا ہے؟ فرماتے ہیں کہ مَیں تو منافق ہو گیا ہوں' اور وہ اس لئے کہ جب میں حضور ﷺ کی محفل میں ہوتا ہوں' آپ ﷺ کی مجلس میں ہوتا ہوں تو ایمان و یقین کے اعتبار سے میرے دل کی کیفیت کچھ اور ہوتی ہے اور جب اپنے گھر بار میں جا کر دنیاوی مشاغل میں مصروف ہو جاتا ہوں تو وہ کیفیت برقرار نہیں رہتی' یہی تو نفاق ہے! — حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اگر چاہتے تو خود سمجھا سکتے تھے اور ان کی الجھن کو رفع کر سکتے تھے' لیکن آپؓ نے فرمایا کہ حنظلہ یہ کیفیت تو میری بھی ہے۔ تو آؤ چلو' حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کریں کہ یہ معاملہ کیا ہے! حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری ہوئی' معاملہ پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے حنظلہ! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے' جو کیفیت میری صحبت میں اور میری مجلس میں تمہیں حاصل ہوتی ہے اگر وہ مستقل اور دائم ہو جائے اور

تم ہر وقت اللہ کے ذکر میں مشغول رہو تو فرشتے تم سے تمہارے راستوں میں اور تمہارے بستروں پر مصافحہ کرنے لگیں گے! ((وَلٰكِن يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَسَاعَةً)) لیکن اے حنظلہ! یہ تو وہ دولت ہے جو کبھی کبھار میسر آتی ہے[۴]۔ یعنی کیفیات کا یہ فرق بالکل فطری ہے' یہ نفاق نہیں ہے۔

بہر حال نفاق سے جس درجے آج مسلمان اپنے آپ کو محفوظ و مامون سمجھتے ہیں' صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معاملہ ایسا نہیں تھا۔ ہمارا حال یہ ہے کہ قرآن کو پڑھتے ہوئے جب منافقین کا ذکر آتا ہے' جب ہم ان آیات کو پڑھتے ہیں جن میں منافقین پر سخت انداز میں گرفت کی گئی ہے تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ان آیات اور ان مضامین کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے' ان آیات میں ہم سے کوئی بحث نہیں' یہ کوئی اور ہی مخلوق ہے جس کے بارے میں یہ ساری باتیں ہو رہی ہیں۔ گویا کہ قرآن مجید کے ان مقامات اور ان آیات سے ہم بالکل محروم رہ جاتے ہیں۔

نفاق کی ہلاکت خیزی

اب ذرا ایک نظر اس مرضِ نفاق کی ہولناکی اور اس کی ہلاکت خیزی پر بھی ڈالئے! اس کا ایک نقشہ تو ان شاء اللہ سورۃ المنافقون میں ہمارے سامنے آئے گا' تاہم اس ضمن میں سورۃ النساء کی یہ آیت بھی بہت قابل توجہ بلکہ لرزہ خیز ہے: ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ﴾ " یقیناً منافقین آگ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے"۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو کفر کے مقابلے میں نفاق زیادہ مبغوض و ناپسند ہے۔ کافر کا معاملہ یہ ہے کہ وہ کھلم کھلا سامنے آ کر مقابلہ کرتا ہے' جو کچھ اس کے باطن میں ہوتا ہے اسی کا باہر اعلان کرتا ہے۔ کافروں میں وہ بھی ہیں جو اپنے باطل دین یا اپنے مشرکانہ اوہام وعقائد کے لئے گردنیں کٹوا کر اپنے کردار کی پختگی کا ثبوت دے جاتے ہیں۔ ابوجہل اسی نوع کا ایک کردار تھا جس نے اپنے معبودانِ باطل اور دین باطل کے لئے اپنی گردن کٹوا دی۔ اس کے مقابلے میں منافقانہ کردار بڑا گھناؤنا کردار ہے اور اللہ کی نگاہ میں انتہائی مبغوض اور ناپسندیدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سخت ترین سزا

اللہ تعالیٰ نے منافقین ہی کے لئے تیار کی ہے۔

اسی کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ منافقین کو رسول اللہ ﷺ کی شفاعت اور استغفار سے محروم کر دیا گیا۔ سورۃ المنافقون میں یہ بات بڑے دوٹوک انداز میں آئی ہے کہ منافقین کے حق میں نبی اکرم ﷺ کا استغفار بھی اللہ کے یہاں مقبول نہیں ہے۔ یہی مضمون سورۃ التوبہ میں اپنی انتہائی صورت میں آیا ہے۔ فرمایا: ﴿اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ ''(کہ اے نبی! اللہ تعالیٰ ان منافقین سے اس درجے ناراض ہے کہ) اگر آپ ستر مرتبہ بھی ان کے لئے استغفار کریں گے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو معاف نہیں کرے گا''۔ یہ ہے درحقیقت نفاق کی ہولناکی اور انجام کے اعتبار سے اس کی ہلاکت خیزی! — لہٰذا اس راہ میں آنا ہے تو دل و دماغ کے یکسو فیصلے اور ہر چہ بادا باد کی شان کے ساتھ آنا ہوگا۔ ع ''جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں؟'' تحفظات کے ساتھ مت آؤ' جان و مال کو کسی طور سے سلامت رکھنے کا فیصلہ کر کے نہ آؤ' بلکہ طے کر کے آؤ کہ جو تقاضا ہوگا حاضر ہوں گے' جو مطالبہ کیا جائے گا پورا کریں گے۔ تبھی نفاق سے محفوظ رہ سکو گے۔

نفاق سے بچاؤ کا ذریعہ — ذکر الٰہی

اب ذرا ہمیں اس پہلو سے بھی غور کرنا ہے کہ مرض نفاق سے بچاؤ کا ذریعہ اور طریقہ کون سا ہے! — ظاہر بات ہے کہ نفاق ضد ہے ایمان کی۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ ایمان کی ضدیں (antonyms) دو ہیں' ایک قانونی یا ظاہری اعتبار سے اور دوسری باطنی اعتبار سے۔ قانونی اعتبار سے مؤمن کے مقابلے میں کافر کا لفظ آتا ہے۔ بلکہ یہاں مؤمن کی بجائے مسلم کا لفظ زیادہ موزوں ہے۔ چنانچہ قانونی اعتبار سے تو دو ہی درجے ممکن ہیں: کافر یا مسلم۔ تاہم باطنی اعتبار سے اور دلی کیفیات کے لحاظ سے ایمان کی ضد ہے نفاق! — اس پہلو سے مؤمن کے مقابلے میں منافق کا لفظ آتا ہے' گویا حقیقت کے اعتبار سے ایمان کی ضد نفاق ہے اور قانونی اعتبار سے کفر! لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے آپ کو نفاق سے بچانا چاہتا ہے اور نہیں چاہتا کہ کبھی اس مرض کی

چھوت اسے لگے تو اس کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ اپنے ایمان کی حفاظت کرے اور اسے مستحکم رکھنے کی فکر کرے۔ اور ایمان کی آبیاری‘ اس کی تقویت اور اس کو سرسبز و شاداب رکھنے کا حقیقی اور مؤثر ذریعہ ذکرِ الٰہی کے سوا اور کوئی نہیں! تلاوتِ قرآن حکیم اور نماز ذکر کی اعلیٰ ترین صورتیں ہیں‘ یا پھر دوامِ ذکر کی وہ صورت جس کا تذکرہ پچھلے سبق یعنی سورۃ الجمعہ میں تھا: ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝﴾ اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرتے رہا کرو‘ اس کی یاد کو اپنے دل میں ہر دم تازہ رکھو‘ اس سے لو لگائے رکھو‘ آخرت کو مستحضر رکھو اور جان لو کہ تمہاری اصل منزل یہ دنیا نہیں‘ آخرت ہے۔ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ. ہار اور جیت کے فیصلے کا دن وہ ہے ــــــ اور اگر کہیں مرضِ نفاق کی کوئی چھوت تمہیں لگ گئی ہو‘ انفیکشن ہو گئی ہو‘ اس مرض نے دل میں کچھ جڑیں جما لی ہوں تو اب اس کا علاج کرنا ہو گا اور وہ علاج ہے انفاق!

نفاق کا علاج: انفاق

دلچسپ بات یہ ہے کہ ''نفاق'' اور ''انفاق'' دونوں کا سہ حرفی مادہ ایک ہی ہے یعنی ''ن ف ق''۔ اس سے ''نفق'' اور ''نافقاء'' کے الفاظ آتے ہیں جس سے منافقت کا لفظ نکلا ہے اور اسی مادے سے ''نَفَقَ يَنْفُقُ'' کے الفاظ مشتق ہیں جن سے باب اِفعال میں ''اِنفاق'' بنتا ہے‘ یعنی خرچ کر دینا اور کھپا دینا۔ یہی انفاق دراصل منافقت کا تیر بہدف علاج ہے۔ اللہ کی راہ میں جان و مال خرچ کرو‘ لگاؤ اور کھپاؤ! دل کی دنیا کو اس مال کی محبت اور اس کی نجاست سے پاک و صاف کرو! ــــــ دنیا کا تمام مال و اسباب محض برتنے اور استعمال کرنے کی چیز ہے (مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا) لیکن دیکھنا اس کی محبت دل میں راسخ نہ ہونے پائے‘ یہ مال و دولتِ دنیا کسی درجے میں بھی تمہارا مطلوب و مقصود نہ بن جائے! ــــــ اس کا ذریعہ یہی ہے کہ جو مال و دولت اللہ نے تمہیں عطا کیا ہے اسے زیادہ سے زیادہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ مال کی محبت کو دل سے کھرچنے اور نفس کے تزکیے کے لئے یہ عمل بہت ضروری ہے۔ سورۃ المؤمنون کے درس میں یہ بات آئی تھی‘ وہاں اہل ایمان کا ایک اہم وصف یہ بیان ہوا تھا: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ

لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ﴾ ـــــ وہ لوگ کہ جو زکوٰۃ پر کاربند رہتے ہیں' یعنی نفس کے تزکیے کے لئے اپنا مال پیہم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ــــ یہ مضمون سورۃ المنافقون کے آخری حصے میں تفصیل سے آئے گا۔ اس سے قبل سورۃ التغابن کے آخر میں بھی ہم نے دیکھا کہ اس جانب اشارہ موجود تھا: ﴿وَاَنْفِقُوْا خَیْرًا لِّاَنْفُسِکُمْ ط وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ o﴾ کہ خرچ کرو' اس میں تمہارا بھلا ہے اور جو کوئی جی کے لالچ سے بچا لیا گیا وہی لوگ فلاح پائیں گے ــــ تاہم یہ مضمون اپنے نقطۂ عروج کو پہنچا ہوا نظر آئے گا سورۃ الحدید میں جو ہمارے اس منتخب نصاب کا آخری مقام ہے۔ ''انفاق فی سبیل اللہ'' کا مضمون ان شاء اللہ العزیز وہاں پورے شرح و بسط کے ساتھ آئے گا۔ بہرحال نفاق کے بارے میں یہ وہ چند بنیادی باتیں ہیں جو جان لینی ضروری ہیں۔ ان کی روشنی میں ان شاء اللہ العزیز جب ہم سورۃ المنافقون کا مطالعہ کریں گے تو ہر ہر آیت ایک بالکل صاف اور شفاف موتی کی طرح سامنے آئے گی' ہر ہر حرف خود بولتا محسوس ہوگا اور آیات کے مابین ربط و تعلق از خود نمایاں ہوتا چلا جائے گا۔

یہ بات اس سے پہلے بھی عرض کی جا چکی ہے کہ قرآن مجید کی سورتیں بالعموم جوڑوں کی شکل میں ہوتی ہیں۔ ایک ہی مضمون کا ایک رخ ایک سورۃ میں اور اس کا دوسرا رخ اس جوڑے کی دوسری سورت میں زیر بحث آتا ہے۔ یہاں نوٹ کیجئے کہ سورۃ المنافقون کے متصلاً بعد سورۃ التغابن ہے۔ سورۃ التغابن کا موضوع ہے ایمان' جبکہ سورۃ المنافقون حقیقت نفاق سے بحث کرتی ہے۔ نفاق ضد ہے ایمان کی۔ گویا ایک ہی تصویر کے مثبت رخ کا بیان سورۃ التغابن میں ہے اور اس کے منفی رخ کا ذکر سورۃ المنافقون میں ہے اور اس طرح ایک مضمون اپنی تکمیل کو پہنچتا ہے۔

لئے تو میں صدقہ کروں اور میں نیکوکاروں میں سے ہو جاؤں۔ اور ہرگز ہرگز مؤخر نہ کرے گا اللہ کسی ذی نفس کے لئے بھی جب کہ اس کا وقتِ معین یعنی اس کی اجل آن پہنچے' اور اللہ تعالیٰ باخبر ہے اس سے کہ جو تم کر رہے ہو۔''

جیسا کہ اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے' یہ مختصر سورت نفاق کے موضوع پر انتہائی جامع ہے۔ اب ہم اللہ کے نام سے اس کی آیاتِ مبارکہ کا سلسلہ وار مطالعہ شروع کرتے ہیں۔ جو باتیں نفاق کے بارے میں تمہیداً عرض کی جا چکی ہیں' ان شاء اللہ العزیز ان کے بعد اس سورۂ مبارکہ کے مطالب و مفاہیم بڑی آسانی سے واضح ہوتے چلے جائیں گے۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھیے کہ اگرچہ نفاق کا ذکر بعض مکی سورتوں میں بھی موجود ہے' چنانچہ ہمارے اس ''منتخب نصاب'' کے اگلے درس یعنی سورۃ العنکبوت میں یہ بات سامنے آئے گی' لیکن نفاق نے ایک باقاعدہ ادارے کی شکل مدنی دَور میں اختیار کی اور جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ ایک بیماری تھی جس نے بڑھ کر تدریجاً ''نفاق'' کی معین شکل اختیار کی۔ چنانچہ اس ضمن میں ہمیں یہ حکمت نظر آتی ہے کہ مدنی سورتوں میں سے اوّلین سورتوں میں اس روگ کی نشان دہی تو کی گئی ہے اور بیماری کا ذکر تو موجود ہے' مگر لفظ ''نفاق'' استعمال نہیں کیا گیا۔ یعنی کسی کو تعین کے ساتھ منافق قرار نہیں دیا گیا۔ چنانچہ سورۃ البقرۃ میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: ﴿فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾ ''ان کے دلوں میں ایک بیماری تھی تو اللہ نے ان کی بیماری کو بڑھا دیا''...... لیکن پوری سورۃ البقرۃ میں کہیں لفظ ''نفاق'' یا ''منافقت'' یا ''منافق'' موجود نہیں۔ تاہم جیسے جیسے معاملہ آگے بڑھا' یہ مرض پوری طرح نمایاں ہو کر سامنے آیا۔ آغاز میں حکمت تربیت کا تقاضا بھی یہ تھا کہ ان کو بالکل ننگا نہ کیا جائے' علامات بیان کر دی جائیں' تاکہ جن کے دلوں میں ابھی یہ روگ ابتدائی درجے میں ہو' اگر وہ متنبہ ہو جائیں اور اصلاح پر آمادہ ہوں تو اس میں انہیں کوئی حجاب محسوس نہ ہو۔ لیکن بہرحال ایک وقت آیا کہ پھر منافق کی اصطلاح کھل کر استعمال ہوئی۔

سورۃ المنافقون کا زمانۂ نزول

اس سورۃ کے زمانۂ نزول کے بارے میں قریباً اتفاق ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق کے دوران یا اس کے فوراً بعد اس کا نزول ہوا۔ اگرچہ اس غزوے کا قطعی زمانہ معین کرنا خاصا مشکل ہے اور اس بارے میں کچھ اختلافِ رائے بھی پایا جاتا ہے' تاہم اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ غزوہ مدنی دَور کے قریباً وسط میں پیش آیا اور اس موقع پر بعض معین واقعات ایسے سامنے آئے کہ جن کے پس منظر میں جب یہ آیات نازل ہوئیں تو انہوں نے ''نفاق'' کے موضوع پر ایک نہایت جامع مضمون کی حیثیت اختیار کر لی۔

منافقین کے دعوئ ایمان کی حقیقت

فرمایا: ﴿اِذَا جَآءَکَ الۡمُنٰفِقُوۡنَ قَالُوۡا نَشۡهَدُ اِنَّکَ لَرَسُوۡلُ اللّٰهِ﴾ کہ جب وہ منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں — یہ ٹکڑا بہت قابل توجہ ہے۔ یہاں نفاق کے بارے میں ایک بات یہ بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ وہ نفاق جس کا ظہور دورِ نبوی میں مدینہ میں ہوا' اس کا آغاز درحقیقت یہود کی جانب سے ہوا اور مسلمانوں میں سے بھی اَوس اور خزرج کے قبیلوں کے وہ لوگ سب سے پہلے اس مرض کی لپیٹ میں آئے جن کے یہودیوں کے ساتھ حلیفانہ تعلقات اور سماجی روابط تھے۔ یہیں سے نفاق کا پودا پروان چڑھا اور برگ و بار لایا۔ یہود کے بارے میں ایک بات یہ جان لینی چاہئے کہ انہوں نے جب نبی اکرم ﷺ کی اُبھرتی ہوئی طاقت کو دیکھا تو اگرچہ ان کے علماء خوب پہچان گئے تھے کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں ﴿یَعۡرِفُوۡنَهٗ کَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَهُمۡ﴾ لیکن نسلی تعصب کے باعث ایمان لانے پر آمادہ نہ ہوئے۔ نبی آخر الزمان کی پیشین گوئیاں ان کے ہاں موجود تھیں اور وہ منتظر تھے کہ اس نبی کے ظہور کا وقت اب قریب ہے۔ چنانچہ جب کبھی اَوس اور خزرج کے لوگوں سے ان کا جھگڑا ہوتا اور ان کی عددی اکثریت کی وجہ سے یہودیوں کو دبنا پڑتا تو وہ یہ دھمکی دیا کرتے تھے کہ اس وقت تو تم ہمیں جس طرح چاہو دبا لو لیکن یاد رکھو کہ نبی موعود کی بعثت کا وقت قریب ہے' جب ہم اس کے ساتھ ہو کر تم سے لڑیں گے تو تم ہم پر غالب نہ آ سکو گے۔ گویا آنحضور ﷺ کو انہوں نے پہچان تو لیا

تھا لیکن انہیں یہ گمان تھا کہ آخری نبی انہی میں سے یعنی بنی اسرائیل سے ہوگا۔ چنانچہ یہ نسلی اور قومی تعصب ان کے پاؤں کی بیڑی بن گیا کہ ہم سے یہ فضیلت کیوں چھین لی گئی اور بنی اسماعیل میں آخری اور کامل نبوت کا ظہور کیسے ہوگیا!! یہی ان کے قبولِ اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن گیا۔

بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کو تمکن اور غلبہ عطا فرمایا اس کے آگے وہ بے بس سے ہو کر رہ گئے۔ ان کے بعض لوگوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ ہمیں بھی مسلمان تسلیم کیا جائے' اس لئے کہ جن باتوں کی دعوت محمد (ﷺ) دے رہے ہیں ان میں سے دو باتیں وہ ہیں جن کو ہم پہلے ہی سے مانتے ہیں۔ آپ توحید کی دعوت دے رہے ہیں' ہم توحید کے پہلے سے علمبردار ہیں' آپ آخرت کی دعوت دے رہے ہیں' ہم بھی آخرت کے ماننے والے ہیں۔ پھر یہ کہ تیسری بنیادی شے نبوت و رسالت ہے' اس میں بھی ہمارے مابین کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے۔ نبوت و رسالت کے ہم بھی اسی طرح قائل ہیں جیسے محمد (ﷺ)۔ خود محمد (ﷺ) یہ فرما رہے ہیں کہ موسیٰ (علیہ السلام) اللہ کے رسول تھے' عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ کے رسول تھے اور یہی نہیں بلکہ بنی اسرائیل کے تمام انبیاء جو اُن کے مابین آئے ان سب کی صداقت کے وہ (ﷺ) معترف ہیں تو اب باقی سارے معاملات میں ہمارے اور ان کے مابین کامل اشتراک موجود ہے' سوائے اس کے کہ ہم ان کی رسالت کے قائل نہیں۔

سورۃ البقرۃ کے دوسرے رکوع کے ابتدائی الفاظ بڑے قابل توجہ ہیں۔ وہاں جو نقشہ کھینچا گیا وہ یہود اور منافقین دونوں پر راست آتا ہے۔ فرمایا: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ ''کہ لوگوں میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور یوم آخر پر' حالانکہ وہ ایمان نہیں رکھتے''۔ اس میں درحقیقت یہود کے اس موقف کی ترجمانی بھی ہوگئی کہ وہ کہتے تھے کہ ہم اللہ کے ماننے والے اور یوم آخر پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ اب جھگڑا صرف رہ جاتا ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کا۔ تو چلئے اگر اتنی سی بات رہ بھی جائے تو اس میں

حرج کیا ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ہماری یہ حیثیت تسلیم کریں کہ ہم بھی مسلمان ہیں۔ یہی معاملہ تھا کہ یہود کے زیر اثر جب اوس اور خزرج کے کچھ لوگوں تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے بھی کچھ اسی طرز کا موقف اختیار کیا کہ اگر ہم محمد رسول اللہ ﷺ کی کامل اطاعت اور متابعت اختیار نہ بھی کریں تو تب بھی ہمارے ایمان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا! لیکن پھر جب کوئی ایسا موقع آتا تھا کہ ان کی کوتاہی پر سرزنش کی جاتی تھی اور انہیں کوئی وضاحت یا کوئی معذرت پیش کرنی پڑتی تو ان کی طرف سے اپنے ایمان کے ادعاء اور اظہار کے لئے جو سب سے زیادہ پُرزور بات کہی جاتی تھی وہ یہی تھی کہ ہم آپؐ کو اللہ کا رسول مانتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ یہاں اس سورۂ مبارکہ کی پہلی آیت میں ایمانیات میں سے صرف ایمان بالرسالت کا ذکر ہے: ﴿اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْھَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰہِ﴾ کہ منافق لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں آکر قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اس کے بعد بڑے ہی لطیف پیرائے میں تعریض کے انداز میں فرمایا: ﴿وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُہٗ﴾ کہ اللہ سے بڑھ کر کس کو معلوم ہوگا کہ آپؐ اس کے رسول ہیں! — اللہ کو خوب معلوم ہے آپؐ اس کے رسول ہیں، لیکن فی الحقیقت یہ منافق کذب بیانی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ گویا کہ جو بات ان کی زبان سے نکل رہی ہے وہ اگرچہ لفظاً غلط نہیں ہے، لیکن ان کا قول ان کی دلی کیفیات کی ترجمانی نہیں بلکہ تکذیب کر رہا ہے۔ یہ لوگ دل سے آپؐ کو اللہ کا رسول تسلیم نہیں کرتے۔ لہٰذا فرمایا: ﴿وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ ۝﴾ ''اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں۔''

نفاق کے درجات اور ان کی علامات

یہاں لفظ ''کذب'' خاص طور پر لائقِ توجہ ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ کذب ہی درحقیقت نفاق کا نقطۂ آغاز ہے۔ چنانچہ سورۃ المنافقون کی پہلی ہی آیت میں اس کی نشاندہی ہوگئی۔ ابتداء میں تو یہ کذب سادہ سے جھوٹ کی صورت میں ہوتا ہے، لیکن آگے بڑھ کر جب یہ مرض دوسرے مرحلے میں داخل ہوتا ہے تو پھر یہ

جھوٹی قسموں کی شکل اختیار کرتا ہے۔ چنانچہ دوسری آیت میں دیکھئے قسموں کا ذکر آ گیا۔ فرمایا: ﴿اِتَّخَذُوْا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً......﴾ ''انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے۔'' یمین داہنے ہاتھ کو بھی کہتے ہیں۔ اور چونکہ قسم کھاتے ہوئے اور قول و قرار کے موقع پر داہنا ہاتھ اٹھانے کی ایک روایت قدیم زمانے سے چلی آ رہی ہے' لہٰذا قسم کو بھی یمین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے۔ ان منافقوں نے اپنی قسموں کو اپنے لئے ڈھال بنا لیا ہے۔ اگر آپ ان سے پُرسش کریں' کوئی پوچھ گچھ کریں یا ان کو کہیں بھی کسی معاملے میں اپنے موقف کی وضاحت کرنی پڑے تو فوراً قسموں کو اپنی ڈھال کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں کہ خدا کی قسم ہے' اللہ گواہ ہے کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں وہ درست ہے! ـــــ اپنی قسموں کو ڈھال بنانے کا نتیجہ یہ ہے کہ ﴿فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ﴾ صَدَّ يَصُدُّ عربی زبان میں لازم اور متعدی دونوں معنی دیتا ہے۔ یہاں مفہوم یہ ہوگا کہ پس یہ خود بھی رک گئے ہیں اللہ کے راستے سے اور دوسروں کو بھی روکنے کا سبب بن گئے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ ہر فرد اپنی اپنی حیثیت کے اعتبار سے دوسروں کے لئے نمونہ بنتا ہے۔ وہ یا تو خیر کی تشویق و ترغیب کا سبب بنے گا' یا دوسروں کے لئے شر کا راستہ کھولے گا اور نمونۂ شر بنے گا۔ ﴿اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾ ''واقعہ یہ ہے کہ بہت ہی بُرا طرزِ عمل ہے جو انہوں نے اختیار کیا ہے''۔ یعنی انجامِ کار کے اعتبار سے یہ بہت ہی بری روش ہے۔ دنیا میں تو شاید وقتی طور پر انہیں یہ محسوس ہوتا ہو کہ ہم نے اپنے اس طرزِ عمل کی بدولت جان و مال کا تحفظ کر لیا' لیکن حقیقت یہ ہے کہ انجامِ کار کے اعتبار سے بہت ہی غلط طرزِ عمل ہے جو انہوں نے اختیار کیا۔

نفاق کا اصل سبب

یہاں اس آیۂ مبارکہ میں ''عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'' کے الفاظ نوٹ کر لئے جائیں۔ یہ گویا کہ نشاندہی کر رہے ہیں کہ نفاق کا اصل سبب اعراض عن سبیل اللہ یعنی اعراض عن الجہاد فی سبیل اللہ ہے۔ منافقین کا معاملہ یہ تھا کہ وہ کسی نہ کسی درجے میں نمازیں پڑھنے

کو تیار تھے‘ لیکن جان و مال کے ساتھ جہاد سے ان کی جان جاتی تھی۔ عبداللہ بن اُبی کا قول روایات میں آتا ہے کہ ہم نے نمازیں بھی پڑھی ہیں اور زکوتیں بھی دی ہیں‘ لیکن اللہ کی راہ میں جان و مال کھپانے کا جو ایک تقاضا اور مطالبہ ہر دم ہمارے سروں پر مسلط رہتا ہے کہ نکلو اللہ کی راہ میں‘ اللہ کے دین پر پھر ایک کٹھن مرحلہ آ گیا ہے‘ اپنی جانیں اور اپنے مال پیش کرو‘ یہ ہم پر بہت شاق ہے۔ یہ وہ چیز تھی جو اُن کو قدم قدم پر روکتی تھی۔ یہی وہ سبب اور بنیاد ہے کہ جس پر درحقیقت نفاق کا یہ پورا قصر تعمیر ہوتا ہے۔

نفاق کی اصل حقیقت

﴿ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ......﴾ اب یہاں نفاق کی اصل حقیقت کا ذکر آ رہا ہے‘ جس کے بارے میں اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ نفاق کی ایک قسم وہ بھی تھی اور یقیناً تھی کہ انسان اسلام کا لبادہ ہی دھوکے کے تحت‘ فریب دینے کے لئے اوڑھتا تھا اور ایمان کی کبھی کوئی رمق اسے نصیب ہوتی ہی نہ تھی —— لیکن حقیقت کے اعتبار سے نفاق کی جو اصل نوعیت تھی وہ یہاں بایں الفاظ واضح ہو رہی ہے: ﴿ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا﴾ ''یہ اس لئے ہوا کہ وہ ایمان لائے‘ پھر انہوں نے کفر کی روش اختیار کی''۔ نوٹ کیجئے کہ یہ کفر قانونی کفر نہیں ہے۔ اگر تو کوئی شخص ایمان لانے کے بعد علانیہ کافر ہو جائے تو وہ مرتد قرار پائے گا‘ لیکن منافق مرتد نہیں تھے۔ وہ ہمیشہ اہل ایمان کی صفوں میں‘ قانونی اسلام کے دائرے میں رہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہاں یہ لفظ کفر کفرِ حقیقی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ جس طرح ایک ایمان قانونی ایمان ہے اور ایک ایمان حقیقی ایمان ہے‘ اسی طرح ایک کفر قانونی کفر ہے یعنی علانیہ کفر‘ اور ایک ہے کفر حقیقی۔ اس کفر حقیقی کو اپنے ذہن میں نفاق کے مساوی قرار دے لیجئے۔ یعنی کفر حقیقی ہی دراصل نفاق ہے۔

سورۃ المنافقون میں نفاق کے موضوع سے متعلق سارے مضامین بڑے ہی اختصار کے ساتھ سمو دیئے گئے ہیں‘ لیکن اس آیۂ مبارکہ کی جو شرح سورۃ النساء میں وارد ہوئی ہے اس سے انسان بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ یہ پورا process ایک دم اور

یک بارگی نہیں ہو جاتا اور انسان یہ فیصلے اچانک اور ایک ہی مرتبہ نہیں کر لیتا' بلکہ اس میں بہت سے اتار چڑھاؤ آتے ہیں' انسان کبھی آگے بڑھ رہا ہے' کبھی پیچھے ہٹ رہا ہے' پھر کبھی آگے بڑھنے کی کوشش کی ہے' پھر پیچھے ہٹ گیا ہے۔ اس طرح کی کیفیت دیر تک رہتی ہے' تا آنکہ پھر مرضِ نفاق دل میں راسخ ہو جاتا ہے اور اپنی جڑیں مضبوطی سے جما لیتا ہے۔ چنانچہ سورۃ النساء میں جو الفاظ آئے ہیں وہ بڑے فکر انگیز ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ وَلَا لِیَھْدِیَھُمْ سَبِیْلًا ﴿ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴾

''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے' پھر انہوں نے کفر کیا' پھر ایمان لائے' پھر کفر کیا' پھر وہ کفر میں بڑھتے چلے گئے' اللہ تعالیٰ ان کو بخشنے والا نہیں ہے اور نہ ہی انہیں راہ یاب کرنے والا ہے۔ (اے نبیؐ!) ایسے منافقوں کو آپ بشارت سنا دیجیے کہ ان کے لئے بڑا دردناک عذاب ہے۔''

یہ ہے مرضِ نفاق کے شکار انسان کی باطنی کیفیت کا نقشہ کہ کچھ آگے بڑھا' پھر پیچھے ہٹا' پھر حالات بہتر ہوئے اور آسانی ہوئی تو سرگرمی کے ساتھ کچھ پیش قدمی کی' لیکن پھر کہیں کوئی مشکل مرحلہ آ گیا تو پسپائی اختیار کر لی۔ اس کیفیت کی تمثیل اس سے پہلے سورۃ البقرۃ کے دوسرے رکوع کے حوالے سے بیان کی جا چکی ہے: ﴿کُلَّمَآ اَضَآءَ لَھُمْ مَّشَوْا فِیْہِ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَیْھِمْ قَامُوْا ﴾ کہ ایمان کے راستے میں' ایمان کے تقاضوں کو ادا کرنے میں کچھ آگے بڑھتے ہیں' قدم اٹھاتے ہیں' پھر ہمت جواب دے دیتی ہے۔ جان و مال کھپانے کے تقاضے بڑے کڑے اور بڑے کٹھن نظر آنے لگتے ہیں تو انسان بیٹھ جاتا ہے۔ پھر کمر ہمت کستا ہے' پھر بیٹھ رہتا ہے۔ یہ عمل جاری رہتا ہے' تا آنکہ ایسا انسان مستقلاً بیٹھ رہتا ہے اور اس سے ہمت و کوشش کی توفیق ہی سلب ہو جاتی ہے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جس کے بارے میں یہاں فرمایا: ﴿فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ فَھُمْ لَا یَفْقَھُوْنَ ﴾ ''تو ان کے دلوں پر مہر ہو چکی' پس وہ فہم سے عاری ہو چکے ہیں۔''

اس کے لئے قرآن حکیم میں ''طبع قلوب'' کے علاوہ ''ختم قلوب'' کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں۔ یہ دونوں تراکیب مفہوم' معنی اور نتیجے کے اعتبار سے ایک ہی

ہیں۔ سورۃ البقرۃ کے پہلے رکوع میں کھلے کھلے کافروں کے ذکر کے ضمن میں الفاظ آئے ہیں: ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾ جبکہ یہاں منافقین کے ضمن میں فرمایا گیا: ﴿فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ ''پس ان کے دلوں پر مہر کردی گئی ہے'' ﴿فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ﴾ ''چنانچہ وہ فہم سے عاری ہو چکے ہیں۔'' اسی کو سورۃ البقرۃ میں ﴿صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی یہ اندھے' بہرے اور گونگے ہو چکے ہیں' ان کی سماعت و بصارت کی صلاحیتیں بظاہر موجود ہیں' لیکن وہ بصارتِ حقیقی سے تہی دست ہو چکے ہیں' سماعت حقیقی سے محروم ہو چکے ہیں اور اب ان کے لوٹنے کا کوئی امکان نہیں۔

ذہن میں رکھئے کہ نفاق کا یہ سارا معاملہ دراصل قلب کی دنیا سے یعنی انسان کے باطن سے متعلق ہے۔ ورنہ ظاہری طور پر منافقین مسلمانوں ہی میں شمار ہوتے تھے۔ چنانچہ منافقوں کے سردار عبداللہ بن اُبی کو بھی آخری وقت تک مسلمان تسلیم کیا گیا۔ یہاں اسلام اور ایمان کے مابین فرق کو' یا یوں کہہ لیجئے کہ ''قانونی ایمان'' اور ''حقیقی ایمان'' کے درمیان اس فرق کو جو اِس سے پہلے مختلف مواقع پر اس منتخب نصاب کے دروس کے دوران زیر بحث آ چکا ہے' ایک مرتبہ پھر ذہن میں تازہ کر لیجئے۔ اس لئے کہ یہ بڑی اہم بحث ہے۔ دین کے نظام کو سمجھنے کا بہت حد تک دارومدار اِس پر ہے۔

مختصر یہ کہ ایک ہے ''قانونی ایمان'' جس کے لئے مترادف لفظ ''اسلام'' ہے اور ایک ہے ''حقیقی ایمان'' جو یقینِ قلبی سے عبارت ہے۔ اس یقینِ قلبی والے ایمان سے اگر انسان محروم ہو جائے تو یہ ایک نوع کے نفاق کی کیفیت ہے۔ تاہم یہ واضح رہنا چاہئے کہ نفاق یا منافقت کسی قانونی درجے کا نام نہیں ہے اور نہ ہی منافق کی کوئی علیحدہ قانونی حیثیت ہوتی ہے' بلکہ قانونی اعتبار سے تو مسلم اور کافر بس یہی دو حیثیتیں ہوتی ہیں۔ ہاں ایک مسلمان کی باطنی کیفیات مختلف ہو سکتی ہیں۔ وہ مثبت طور پر مؤمن بھی ہو سکتا ہے اور منفی طور پر منافق بھی!

منافقین کی اسلام دشمنی — ایک چشم کشا واقعہ

سورۃ المنافقون کی ابتدائی تین آیات کا مطالعہ کسی درجے میں ہم نے مکمل کر لیا

ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کے پہلے رکوع کی بقیہ آیات کو سمجھنے کے لئے اس کے تاریخی پس منظر کو پہلے ذہن میں مستحضر کر لینا مفید ہوگا۔ حقیقت نفاق پر اصولی گفتگو اگرچہ ہو چکی ہے' لیکن یہ کہ عملاً یہ نفاق کا مرض انسان کو کہاں سے کہاں پہنچاتا ہے' جس کو اس سے قبل ٹی بی کی تھرڈ سٹیج سے تعبیر کیا گیا تھا' یعنی نفاق کا وہ مرتبہ جہاں پہنچ کر اہل ایمان کیلئے بغض وعداوت اور ان سے دشمنی منافق کے دل میں گھر کر جاتی ہے' اس کی ایک نمایاں مثال اس واقعے کے حوالے سے سامنے آتی ہے جو غزوہ بنی مصطلق کے موقع پر پیش آیا۔

اس غزوے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ساتھ کچھ منافقین بھی لشکر میں شامل تھے۔ عبداللہ بن اُبی بھی اپنی جمعیت کے ساتھ موجود تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ واپسی پر مریسیع کے کنویں کے قریب جہاں لشکر کا پڑاؤ تھا' دو مسلمانوں کا آپس میں جھگڑا ہو گیا۔ ایک حضرت جہجاہؓ تھے جو حضرت عمرؓ کے ملازم تھے اور ان کے گھوڑے وغیرہ کو سنبھالتے تھے' اور دوسرا شخص انصار کا حلیف تھا۔ معمولی سا جھگڑا ہوا۔ حضرت جہجاہؓ نے کہیں جذبات میں آ کر اس کو ایک لات رسید کر دی۔ اس پر ہنگامہ ہوا' ایک شور مچ گیا اور پرانی عصبیتوں کو آواز دی گئی۔ ہوتے ہوتے یہ معاملہ مہاجرین اور انصار کے مابین ایک جھگڑے کی شکل اختیار کر گیا۔ حضور ﷺ کو اطلاع ہوئی' آپؐ تشریف لائے' سمجھایا بجھایا' معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ لیکن جیسا کہ عموماً ہوتا ہے' اس کے بعد چہ میگوئیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ کچھ لوگ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کے پاس گئے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ انہوں نے تشویش کا اظہار کیا کہ مہاجرین کی جرأتیں بڑھتی جا رہی ہیں! عبداللہ بن اُبی کو تو یوں سمجھئے کہ ایک موقع ہاتھ آ گیا۔ اس کے خبثِ باطن کے اظہار کے لئے یہ ایک بڑا مناسب موقعہ تھا۔ اس نے لوگوں کو سخت سست کہا کہ آج مجھ سے کیا کہتے ہو' یہ سب کچھ تم لوگوں کا کیا دھرا ہے۔ یہ لٹے پٹے مہاجرین مکہ سے آئے تھے' ان کے پاس کوئی ٹھکانہ نہ تھا' تم نے ان کو جگہ دی' تم نے انہیں پناہ دی' تم نے ان پر خرچ کیا' انہیں کھلایا پلایا۔ اب ان کی ہمتیں اتنی بڑھ گئی ہیں کہ ہم لوگ یعنی اہل مدینہ ان کی دست درازیوں سے محفوظ نہیں ہیں۔ اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف بڑے گستاخانہ الفاظ استعمال کئے۔ عربی زبان کی ایک

کہاوت کا حوالہ دیا ''سَمِّنْ کَلْبَکَ یَأْکُلْکَ'' (یعنی اپنے کتے کو کھلا پلا کر موٹا کرو' کسی روز وہ خود تمہیں کاٹے گا) اور کہا کہ یہی معاملہ ہمارے ساتھ ہو رہا ہے' اور خدا کی قسم! اگر تم لوگ اپنا دستِ تعاون اُن سے کھینچ لو اور اُن پر خرچ نہ کرو تو یہ سب چلتے بنیں گے۔ یہ ایمان اور جہاد کا غلغلہ محض اس وجہ سے ہے کہ ان لوگوں کو کھانے پینے کو ملتا ہے' آرام اور آسائش حاصل ہے۔ یہ سہولت اگر سلب کر لی جائے تو یہ ساری بھیڑ چھٹ جائے گی۔ مزید برآں اس نے بہت زور دے کر کہا کہ جب ہم مدینہ واپس پہنچیں تو بالکل متفق الرائے ہو کر یہ طے کر لیں کہ جو صاحبِ عزت ہیں' جو مدینہ کے قدیم باشندے ہیں (یا جدید اصطلاح میں جو Sons of the soil ہیں) وہ ان کمزور لوگوں کو نکال باہر کریں۔ ان مہاجروں کو جو بڑے کمزور ہیں' جن کی کوئی حیثیت نہیں' اب ہم مدینہ سے بے دخل کر کے چھوڑیں گے۔

یہ باتیں جہاں ہو رہی تھیں وہاں حضرت زید بن ارقمؓ بھی موجود تھے جن کا شمار اس وقت نوجوان اور کم عمر صحابہ میں ہوتا تھا۔ انہوں نے جا کر یہ بات نبی اکرم ﷺ تک پہنچائی۔ معاملہ چونکہ اہم تھا لہٰذا آنحضور ﷺ نے ان سے اس بارے میں خوب اچھی طرح پوچھ گچھ کی کہ کہیں ان سے سننے میں کوئی سہو تو نہیں ہوا۔ لیکن جب آپ ﷺ کو اطمینان ہو گیا کہ حضرت ارقمؓ جو بیان کر رہے ہیں وہ مبنی بر حقیقت ہے تو آپ ﷺ نے عبداللہ بن اُبی کو طلب فرمایا اور باز پُرس کی۔ وہ صاف قسم کھا گیا کہ مَیں نے ایسی کوئی بات ہی نہیں کہی' یہ بالکل جھوٹ اور افتراء ہے جو مجھ پر باندھا جا رہا ہے۔ اب حضرت زید بن ارقمؓ کی پوزیشن بڑی خراب (awkward) ہو گئی کہ عبداللہ بن اُبی کی بات کو درست تسلیم کیا جائے تو وہؓ جھوٹے پڑتے تھے۔ اتنے بڑے سردار اور اتنے معتبر شخص' رئیسِ خزرج کے مقابلے میں اس کم سن اور نوجوان صحابیؓ کی بات کون سنے! تو اس طرح حضرت زیدؓ کی پوزیشن بڑی ہی خراب ہوئی۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ ان میں گویا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نیک دل اور مخلص مسلمان کے قول کی توثیق و تصویب کی کہ جو جھوٹ اس پر چسپاں کر دیا گیا تھا اسے اس سے براءت حاصل ہو جائے' اور اصل حقیقت پورے طور پر مسلمانوں کے سامنے آ جائے۔

اس پس منظر میں ان آیات کا مطالعہ کیجئے اور اس پورے سلسلۂ کلام کو مدنظر رکھئے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس مرضِ نفاق کی ہلاکت خیزی کیا ہے اور یہ انسان کو کس انجامِ بد سے دوچار کرتا ہے۔ چنانچہ یہ مرض جس کا آغاز بالعموم ایک معمولی سی تقصیر سے ہوتا ہے' یعنی دین کے تقاضوں کے مقابلے میں اپنی جان و مال کے تحفظ کا خیال اور ایثار و قربانی سے گریز' لیکن جب یہ آگے بڑھتا ہے تو جھوٹے بہانوں اور جھوٹی قسموں سے ہوتا ہوا اس منزل تک پہنچ جاتا ہے کہ اللہ کے رسول کی عداوت و دشمنی اور صادق الایمان مسلمانوں سے بغض اور دشمنی دل میں گھر کر جاتی ہے۔ یہ گویا کہ اس مرض کی وہ آخری سٹیج ہے کہ جس کے بعد دلوں پر مہر ہو جاتی ہے۔ یہ point of no return ہے کہ یہاں سے واپسی کا اب کوئی امکان نہیں۔

منافقین کا ظاہر

فرمایا: ﴿وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ﴾ کہ اے نبیؐ! جب آپؐ انہیں دیکھتے ہیں تو ان کا تن و توش آپؐ کو بڑا بھلا لگتا ہے —— یہ بات سورۂ توبہ میں بھی بعینہٖ انہی الفاظ میں آئی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جو لوگ دنیادار اور دنیا پرست ہیں اور جن کی ساری محنت اور جدوجہد کا مقصود اور مصرف بس دنیا کی زندگی ہے' ان کے پاس مال و دولت بھی وافر ہو گی اور معاشرے میں انہیں ایک حیثیت و وجاہت بھی حاصل ہو گی۔ وہ جس مجلس میں بیٹھے ہوں گے معتبر نظر آئیں گے۔ تو اس کا ایک نقشہ یہاں کھینچا گیا ہے کہ اے نبی! جب آپؐ انہیں دیکھتے ہیں تو ان کے قد و قامت اور ان کے تن و توش سے آپؐ متاثر ہوتے ہیں ﴿وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ﴾ ''اور جب وہ کوئی بات کرتے ہیں تو (ان کی ظاہری حیثیت کے موافق) آپ ان کی طرف متوجہ ہوتے اور بڑے غور سے ان کی بات سنتے ہیں—— ﴿كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُسَنَّدَةٌ﴾ یہ ان لکڑیوں کی مانند ہیں جنہیں سہارا دے کر کھڑا کیا گیا ہو—— آپؐ ان کے اس ظاہری تن و توش پر نہ جایئے' یہ لوگ اندر سے بالکل کھوکھلے ہیں۔

انسان کی ایک معنوی شخصیت ہوتی ہے۔ وہ اس کی قوتِ ارادی' اس کے عزم اور

اس کی سیرت و کردار کی قوّت سے عبارت ہوتی ہے۔ کوئی شخص خواہ بظاہر دبلا پتلا اور نحیف الجثہ ہو' ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مانند کہ جو نحیف و نزار ہی نہیں رقیق القلب بھی تھے' لیکن اندر اگر ایک عزیمت اور ایک فیصلہ کن ولولہ موجود ہو تو یہ شخص ان لوگوں میں سے ہوگا جو تاریخ کے دھارے کا رخ موڑ دیا کرتے ہیں۔ یہ وہ ہیں کہ جن کے ذریعے سے قوموں کی تقدیریں بدلتی ہیں۔ تو اس معنوی شخصیت کے اعتبار سے ان منافقین کا حال یہ ہے کہ: ﴿كَاَنَّهُمۡ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ﴾ بڑی عمدہ تشبیہ ہے کہ ایک تو وہ درخت ہے کہ جو خود اپنے بل پر کھڑا ہے اور ایک وہ لکڑی ہے جو اپنی جگہ چاہے کتنی ہی موٹی اور وزنی کیوں نہ ہو لیکن زمین سے چونکہ اسے غذا نہیں مل رہی لہٰذا وہ سوکھ چکی ہے اور اب وہ اپنے بل پر کھڑی نہیں ہو سکتی' اسے کسی سہارے کی ضرورت ہے۔ کہیں اسے سہارا دے کر کھڑا کر دیجئے تو کھڑی رہے گی' بصورتِ دیگر ڈھیر ہو جائے گی۔ ان منافقین کی معنوی حیثیت بھی ان خشک لکڑیوں سے مختلف نہیں!

منافقین کی باطنی کیفیت

آگے فرمایا: ﴿يَحۡسَبُوۡنَ كُلَّ صَيۡحَةٍ عَلَيۡهِمۡ﴾ ان کی اس باطنی کیفیت میں جو بزدلی' کمزوری اور ضعف مضمر تھا اس کی تعبیر ان الفاظ میں فرمائی کہ جب بھی کوئی چیخ یا کوئی بلند آواز کان میں پڑتی ہے تو یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہماری شامت آ گئی۔ دل ہی دل میں لرزتے اور کانپتے رہتے ہیں۔ سورۃ القیامۃ کی اس آیت کے مصداق کہ ﴿بَلِ الۡاِنۡسَانُ عَلٰی نَفۡسِهٖ بَصِیۡرَةٌ﴾ انہیں خوب معلوم تھا کہ وہ کہاں کھڑے ہیں۔ ان کی اصل حقیقت کیا ہے! —— قرآن میں اگر کوئی وعید وارد ہوتی تو بھی کم از کم وقتی طور پر ان کی جان پر بن جاتی تھی' اس لئے کہ ان کا ضمیر متنبہ کر دیتا تھا کہ یہ ہے انجام جس سے تم دوچار ہو گے۔ اور صَیۡحَة کے لفظ کے حوالے سے اشارہ کر دیا گیا کہ کہیں کوئی خطرے کی گھنٹی بجتی' یعنی کسی طرف سے کوئی خطرے کی آواز سنائی دیتی کہ کوئی لشکر حملہ آور ہوا چاہتا ہے تو خوف و دہشت سے ان کی جانیں لرزنے لگتیں۔ فرمایا: ﴿هُمُ الۡعَدُوُّ فَاحۡذَرۡهُمۡ﴾ یہی ہیں اصل دشمن۔ اے نبی! ان کو پہچانئے اور ان کی ریشہ دوانیوں سے بچنے کی کوشش کیجئے۔ یہ جو آستین کا سانپ ہیں ان کا ڈنگ بہت خطرناک ہے۔ لہٰذا

آپ پورے طور پر چوکس اور محتاط رہیں اور ان کے طرزِ عمل پر نظر رکھیں۔ آیت کے آخری حصے میں فرمایا: ﴿قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾ اللہ انہیں ہلاک کرے' یہ کہاں سے لوٹائے جارہے ہیں! اس میں ایک حسرت بھی ہے کہ کہاں تک ان کی رسائی ہوئی' یہ اپنی خوش بختی کا تصور کریں کہ محمد ﷺ کے دامن سے وابستہ ہونے کا شرف انہیں حاصل ہوا' لیکن یہ بد بخت کہاں تک پہنچ کر واپس جارہے ہیں! ـــــ یہ کس خوش بختی' رشد اور فوز و فلاح کی منزل کے قریب پہنچ کر اب محرومی کی طرف لوٹائے جارہے ہیں!!

منافقین کی ہٹ دھرمی اور تکبر

اگلی آیت میں فرمایا: ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ﴾ کہ اپنے غلط طرزِ عمل پر پشیمان ہونے اور اصلاحِ احوال کی جانب متوجہ ہونے کی اب ان سے توقع بھی عبث ہے۔ یہ چیز اس مرض کے آغاز میں تو ہوتی ہے لیکن اب معاملہ آگے بڑھ چکا ہے۔ مرضِ نفاق اب تیسری سٹیج میں داخل ہو چکا ہے۔ لہٰذا ان کا حال یہ ہے کہ جب اہلِ ایمان ان سے یہ کہتے کہ تم سے جو غلطی ہوئی ہے اس کے ازالے کے لئے چلو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری دو اور اپنی غلطی کا اعتراف کرلو' تاکہ اللہ کے رسول ﷺ تمہارے لئے استغفار کریں اور اللہ سے تمہاری خطاؤں کی معافی چاہیں تو بجائے اس کے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی خطا کا اعتراف کریں ﴿لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ﴾ ''اپنے سروں کو مٹکاتے ہیں'' ـــــ یعنی متکبرانہ انداز میں اپنے سر کو جھٹک دیتے تھے۔ اس لئے کہ ان کے باطن میں نفاق کا پودا پوری طرح برگ و بار لا چکا ہے اور ان کی پوری شخصیت پر آکاس بیل کی طرح مسلط ہو چکا ہے۔ فرمایا: ﴿وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ﴾ ''اور آپ دیکھتے ہیں کہ وہ رکے رہ جاتے ہیں' استکبار کرتے ہوئے'' ـــــ ان کے قدم گویا کہ جکڑ دیئے گئے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آکر غلطی کا اعتراف اور استغفار کی درخواست کرنے سے گویا کوئی چیز ان کے قدموں کو روکے ہوئے ہے اور یہ سب کچھ درحقیقت تکبر اور گھمنڈ کے باعث ہے۔

منافقین کا حسرت ناک انجام

اگلی آیت میں اس حسرت ناک انجام اور محرومی کا نقشہ کھینچا گیا ہے جو منافقین کا

مقدر ہے۔ فرمایا: ﴿سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ کہ اے نبی! ان منافقین کے لئے برابر ہے آپؐ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں‘ اللہ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ گویا کہ آپؐ کا استغفار بھی ان بدبختوں کے حق میں مفید نہیں۔ اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ میں یہ مضمون سورۃ توبہ میں دہرایا گیا ہے۔ وہاں اضافی طور پر فرمایا: ﴿اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ کہ اگر آپؐ ستّر مرتبہ بھی ان کے لئے استغفار فرمائیں گے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو نہیں بخشے گا۔ یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ منافقین کے بیان میں یہاں وہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے جو سورۃ البقرۃ کے پہلے رکوع میں پکے اور کٹر کافروں کے لئے ملتا ہے۔ وہ کھلے کافر جو کفر کی آخری حدود کو پہنچ چکے تھے‘ جن کے لئے ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ کے فیصلے کا اعلان ہوا‘ ان کے بارے میں سورۃ البقرۃ میں یہی الفاظ آتے ہیں: ﴿سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ کہ ان کافروں کے حق میں بالکل برابر ہو چکا ہے خواہ آپؐ انہیں خبردار فرمائیں خواہ نہ فرمائیں‘ اب یہ ایمان لانے والے نہیں۔ وہی بات یہاں منافقین کے بارے میں فرمائی گئی۔ گویا منافقین کا شمار اگرچہ دنیا میں مسلمانوں ہی میں ہوتا ہے لیکن ان کا انجام بدترین کافروں کے ساتھ ہوگا۔

آیت کے آخری ٹکڑے میں اسی قاعدہ کلیہ کو دہرایا گیا جو اس سے پہلے سورۃ الصّف میں بھی بیان ہوا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ ”یقیناً اللہ ایسے فاسقوں کو راہ یاب نہیں کرتا“ —— یہ بات اس کی سنت اور اس کے ضابطے کے خلاف ہے کہ وہ کسی کو زبردستی راہِ ہدایت پر لے آئے۔ زبردستی ہدایت دینی ہوتی تو پھر کون ہوتا جو ہدایت سے محروم رہ جاتا۔ پھر تو ابوجہل اور ابولہب بھی ہدایت سے محروم نہ رہتے۔ اللہ تو ہدایت انہی کو دیتا ہے جو ہدایت کے جویا ہوں‘ جو ہدایت کے طالب اور متلاشی ہوں‘ جو ہدایت اختیار کرنے کا فی الواقع ارادہ رکھتے ہوں۔ جو لوگ دیدہ دانستہ فسق و فجور کے راستہ پر چل رہے ہوں انہیں زبردستی ہدایت دینا اللہ کا طریقہ نہیں!

اگلی دو آیات میں عبداللہ بن اُبی کا وہ قول نقل کیا گیا جس سے اس کا خبثِ باطن جھلکتا تھا۔ اس طرح گویا تصدیق ہو گئی حضرت زید بن ارقمؓ کی کہ انہوں نے عبداللہ بن اُبی پر جو الزام لگایا تھا وہ غلط نہیں تھا۔ فرمایا: ﴿ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں کہ جو کہتے ہیں مت خرچ کرو اُن پر جو اللہ کے رسول کے ساتھ ہیں' یہاں تک کہ منتشر ہو جائیں!'' —— یہ لوگ تمہارے چندوں اور تمہارے صدقات پر پل رہے ہیں۔ یہ ساری ہمہ ہمی اور ساری شورا شوری درحقیقت تمہارے اس ایثار اور انفاق کی بنیاد پر ہے۔ تم اگر ہاتھ روک لو تو یہ سب چلتے پھرتے نظر آئیں گے' یہ بھیڑ چھٹ جائے گی۔ جواباً فرمایا: ﴿ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کے ہیں''۔ یعنی یہ ان کی نری خام خیالی ہے کہ مہاجرین کو رزق وہ فراہم کرتے ہیں' لیکن ان منافقین کو کون سمجھائے ﴿وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝﴾ یہ بات اس سے پہلے آیت ۳ کے ذیل میں بھی گزر چکی ہے کہ یہ لوگ فہم و شعور سے عاری ہو چکے ہیں۔ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝﴾

اگلی آیت میں بھی عبداللہ بن اُبی ہی کا ایک قول نقل ہوا ہے۔ فرمایا: ﴿يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ﴾ ''انہوں نے کہا کہ اگر اس دفعہ ہم مدینہ لوٹ گئے (یعنی اگر ہم بخیر و عافیت واپس پہنچ گئے) تو یہ بات طے شدہ سمجھو کہ عزت دار لوگ (مراد ہے اہل مدینہ یعنی اوس و خزرج) ان بے وقعت لوگوں کو (یعنی مہاجرین مکہ) کو نکال باہر کریں گے''۔ یہ روز روز کا جھگڑا اسی صورت میں ختم ہو سکتا ہے کہ مدینہ کے باعزت باشندے اپنی سرزمین سے ان لٹے پٹے مہاجرین کو بے دخل کر دیں۔ اس گستاخی اور جسارت پر سرزنش کے انداز میں فرمایا: ﴿ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾ ''حالانکہ حقیقت حال یہ ہے کہ عزت تو کل کی کل اللہ کے لئے ہے' اس کے رسول کے لئے ہے اور اہل ایمان کے لئے ہے' لیکن منافقین کو اس کا علم نہیں ہے''۔ وہ اپنی نادانی میں یہ سمجھ رہے ہیں کہ

عزت دار وہ خود ہیں' جبکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔

یہاں اس سورۂ مبارکہ کا پہلا رکوع ختم ہوتا ہے۔ اس میں گویا کہ مرضِ نفاق' اس کی علامات' اس کا نقطۂ آغاز' اس کا سبب' اس کے مختلف مراتب و مدارج' اس کی ہلاکت خیزی' یہ تمام چیزیں زیرِ بحث آ گئیں۔

دوسرے رکوع کی تین آیات میں ایک عجیب ترتیب نظر آتی ہے۔ جس طرح کہ طب میں ایک مرض کے علاج کی دو شکلیں ہیں۔ ایک حفاظتی (Preventive) قسم کا علاج ہے اور دوسرا معالجاتی (Curative) طرز کا۔ یعنی ایک تو وہ تدابیر ہیں کہ جن سے اس مرض کی چھوت سے بچا جا سکے۔ اور دوسرے یہ کہ اگر وہ مرض لاحق ہو جائے' اس کی چھوت لگ جائے تو پھر اس کا مداوا اور اس کا چھٹکارا حاصل کرنے کی تدابیر کی جاتی ہیں۔ یہاں دیکھئے کہ مرضِ نفاق کے علاج کے ضمن میں یہ دونوں پہلو سامنے آ رہے ہیں۔

نفاق سے بچاؤ کی حفاظتی تدابیر

دوسرے رکوع کی پہلی آیت میں حفاظتی تدبیر کا بیان ہے۔ فرمایا: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ ''اے اہل ایمان! تمہیں غافل نہ کر دیں تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے''۔ نفاق سے بچنا چاہتے ہو تو اللہ کو کثرت سے یاد رکھو' اس کی یاد کو اپنے دل میں مستحضر رکھو۔ وہی ذکرِ الٰہی جس کے لئے نماز کا نظام قائم کیا گیا ﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ﴾ دن رات میں پانچ مرتبہ اپنے معمولات میں سے نکل کر ایمان کو تازہ کرتے رہو۔ تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ عہد کا یہ سلسلہ برقرار رہنا چاہئے۔ نماز کی ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ کی تلاوت تجدیدِ ایمان کا نہایت مؤثر ذریعہ ہے۔ غور کیجئے! ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝﴾ سے ایمان باللہ کی تجدید ہو گئی' ﴿مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝﴾ سے ایمان بالمعاد یعنی ایمان بالآخرت از سرِ نو تازہ ہو گیا' ﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝﴾ سے اس عہد کی تجدید ہو گئی جو بندے اور ربّ کے درمیان ہے۔ تو نماز

درحقیقت ذکرِ الٰہی کی انتہائی مؤثر اور جامع صورت ہے۔ لیکن اصل میں مقصود یہ ہے کہ استحضار اللّٰہ فی القلب کی یہ کیفیت دائم ہو جائے، مستقل ہو جائے۔

صوفیاء نے اس معاملے کو خصوصی طور پر اپنا موضوع بنایا اور اسے اپنی آخری منطقی انتہا تک پہنچایا ہے۔ پاسِ انفاس کی مسلسل ریاضت اور مشق سے یہ کیفیت بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ ذکر کا معاملہ ہر سانس کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے اور ان کی کوشش ہوتی ہے کہ کوئی سانس غفلت میں نہ نکلے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے پیارے انداز میں اس حقیقت کو بیان کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہر سانس جب انسان کے اندر جاتا ہے تو موجبِ تقویت بنتا ہے اور جب باہر نکلتا ہے تو باعث تصفیہ ہوتا ہے۔ جسم کے بہت سے خراب بخارات کو لے کر وہ باہر نکلتا ہے اور انسان کے اندرونی نظام کی صفائی کا ذریعہ بنتا ہے۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں: ''پس بر ہر نفس دو شکر واجب است'' کہ پس ثابت ہوا کہ ہر سانس پر دو مرتبہ اللہ کا شکر لازم ہے۔ بہرکیف ان چیزوں میں کچھ مبالغہ نظر آئے تب بھی یہ بات جان لیجئے کہ دوامِ ذکر کے لئے شعوری کوشش کرتے رہنا انسان کیلئے ضروری ہے۔ اس لئے کہ یہ نفاق سے بچنے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔

اس سے پہلے سورۃ الجمعہ کے درس میں اشارہ کیا جا چکا ہے کہ دوامِ ذکر کی ایک نہایت مفید اور قابلِ عمل صورت یہ ہے کہ انسان ''ادعیۂ ماثورہ'' کا التزام کرے۔ یعنی نبی اکرم ﷺ کی وہ دعائیں جو آپؐ زندگی کے مختلف اعمال و افعال کرتے ہوئے مانگا کرتے تھے اور اس طرح آپؐ کی زبان پر اللہ کا ذکر دعاؤں کی صورت میں جاری رہتا تھا۔ روز و شب کے معمولات کو ادا کرتے ہوئے قدم قدم پر آنحضور ﷺ سے دعا ثابت ہے۔ آئینے میں اپنی صورت دیکھی ہے تو ساتھ ہی دعا زبان پر آ جاتی ہے' جوتے پہن رہے ہیں تو دعا ہے' سواری پر داہنا پاؤں آگے بڑھا کر چڑھ رہے ہیں تو دعا ہے' اتر رہے ہیں تو دعا ہے' گھر سے نکلے ہیں تو دعا ہے۔ گویا کہ زندگی کے ہر ہر کام کو انجام دیتے ہوئے دعا کی صورت میں اللہ کا ذکر جاری رہتا ہے۔ اس سے معمولات میں قطعاً کوئی خلل واقع نہیں ہوتا' انسان اپنی زندگی کی مصروفیات میں مشغول رہتے ہوئے بھی ذہن اور قلب کا رشتہ اللہ کے ساتھ برقرار رکھ سکتا ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ شیطان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ انسان کے دل پر اپنی تھوتھنی جمائے رکھتا ہے جس سے وہ وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ٥ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ٥﴾ جب تک انسان اللہ کو یاد رکھتا ہے وہ پیچھے دبکا رہتا ہے اور وسوسہ اندازی نہیں کر سکتا۔ اسی لئے اس آخری سورۃ میں شیطان کے لئے ''خناس'' کا لفظ آیا ہے۔ ﴿مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ﴾ خنس کہتے ہیں پیچھے ہٹنے کو۔ جب انسان اللہ کو یاد کر رہا ہو' اس کا دل یادِ الٰہی سے آباد ہو تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے' لیکن منتظر رہتا ہے کہ جیسے ہی دل پر غفلت طاری ہو جائے تو وہ پھر دل پر اپنا تسلط جمائے اور اپنی تھوتھنی رکھ کر پھونکیں مارنی شروع کر دے! لہٰذا کوشش کرو کہ تمہارا کوئی وقت' کوئی لمحہ یادِ الٰہی سے اور ذکرِ الٰہی سے خالی نہ ہو۔ یہ ہے مرضِ نفاق سے بچاؤ کی تدبیر۔ یہ ہے وہ حفاظتی ٹیکہ جو نفاق کی چھوت سے انسان کو محفوظ رکھے گا۔

آیت زیر بحث کے الفاظ کو ذہن میں لایئے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ﴾ یہاں دو چیزوں کو معین کیا گیا ہے کہ جو انسان کو اللہ کی یاد سے غافل کرنے کا باعث بنتی ہیں' یعنی مال اور اولاد۔ یہ وہ بات ہے جو ہم سورۃ التغابن میں اس سے قبل پڑھ چکے ہیں۔ گو ہمارے منتخب نصاب میں سورۃ التغابن پہلے ہے اور سورۃ المنافقون کا نمبر بہت بعد میں آتا ہے تاہم مصحف میں سورۃ التغابن اس سورۃ المنافقون کے معاً بعد آتی ہے۔ اس اعتبار سے یوں کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ یہی مضمون آگے چل کر سورۃ التغابن میں نہایت واضح شکل میں بایں الفاظ آیا ہے: ﴿اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ ''جان لو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد ہی ذریعۂ آزمائش ہیں''۔ یہی تو وہ کسوٹی ہے جس پر تمہیں پرکھا جا رہا ہے۔ آیا ان کی محبت اس درجے دل پر مسلط ہو گئی ہے کہ ساری بھاگ دوڑ بس انہی کے لئے ہو رہی ہے؟ یا یہ کہ اللہ کی یاد دل میں تازہ ہے' اپنی زندگی کی اصل منزل یعنی آخرت ذہن میں مستحضر ہے' اصل توجہ اپنے خالق و مالک اور آقا کی طرف ہے؟ یہی تو وہ کسوٹی ہے جس پر تم جانچے اور پرکھے جا رہے ہو۔ چنانچہ متنبہ کر دیا گیا کہ اے اہل ایمان! دیکھنا' تمہیں یہ تمہارے اموال اور

تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں۔

یہ مضمون اس سے پہلے سورۂ نور میں بھی آ چکا ہے۔ وہاں اللہ کے کچھ نیک بندوں کی تعریف میں مثبت انداز میں یہ بات آئی تھی: ﴿رِجَالٌ لَّا تُلۡهِيۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ﴾ وہ جواں مرد وہ باہمت لوگ جنہیں کوئی کاروبارِ دُنیوی‘ کوئی تجارت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔ اور اگر کوئی شخص ان چیزوں کی محبت سے مغلوب ہو کر اللہ کی یاد سے غافل ہو گیا تو اس کے بارے میں فرمایا: ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ۝﴾ ”یہی ہیں جو خسارہ پانے والے ہیں“۔

نفاق کا علاج: انفاق

یہ تو ہوئی حفاظتی تدبیر جس کو ایک لفظ میں اگر بیان کریں تو وہ ہے ”دوامِ ذکرِ الٰہی“! لیکن اگر کہیں اس مرض کی چھوت لگ گئی ہو تو اس بارے میں جو تجزیہ ہم کر چکے ہیں اس کی رو سے اس کا اصل سبب ہے مال و دولت دنیا کی محبت! یہی وہ محبتیں ہیں جو انسان کو نفاق کے راستے پر ڈالتی ہیں۔ اللہ کی راہ سے انسان اگر رکتا ہے تو اصل میں انہی محبتوں کے باعث۔ لہٰذا اب اس کا علاج اسی طور پر ہو گا کہ مال کی محبت کو دل سے کھرچنے کی کوشش کی جائے۔ انسان چاہتا ہے کہ اس مال کو جو اسے بہت محبوب ہے‘ روک کر اور سینت سینت کر رکھے۔ سورۃ المعارج میں ہم پڑھ چکے ہیں: ﴿اِنَّ الۡاِنۡسَانَ خُلِقَ هَلُوۡعًا ۝ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوۡعًا ۝ وَاِذَا مَسَّهُ الۡخَيۡرُ مَنُوۡعًا ۝﴾ کہ انسان بہت ہی تھڑدلا پیدا کیا گیا ہے‘ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو واویلا کرتا ہے اور جب خیر پہنچتا ہے‘ مال میسر آتا ہے تو اسے روک روک کر رکھتا ہے۔ یہ انسان کی طبیعت ہے۔ اسی سے اس کے دل کی کلی کھلتی ہے۔ لہٰذا فرمایا: ﴿وَاَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ﴾ ”خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تمہیں عطا کیا‘ اس سے پہلے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ پہنچے“۔ اس مال کو صرف کرو‘ اس کو خرچ کرو‘ اللہ کی راہ میں لگا دو۔ اس طرح قلب کی صفائی ہو گی‘ مال کی محبت کا زنگ دھلے گا‘ اسی سے تزکیہ ہو گا۔ سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات میں بھی یہ مضمون آ چکا ہے: ﴿وَالَّذِيۡنَ هُمۡ

لِلزَّکٰوۃِ فَاعِلُوْنَ O﴾ تزکیۂ عمل‘ تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن کے لئے درحقیقت سب سے مؤثر تدبیر یہی ہے کہ اس مال کو اللہ کی راہ میں لگاؤ اور خرچ کرو۔ اسی کا نام ہے انفاق فی سبیل اللہ۔

یہاں ایک بات اور نوٹ کر لیجئے کہ انفاق کے بارے میں عام تصور تو یہی ہے کہ اس سے مراد ہے انفاقِ مال‘ اور قرآن مجید میں بھی اکثر و بیشتر مال کے صرف کرنے کے لئے ہی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ لیکن انفاق کا لفظ‘ جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے‘ عام ہے اور اس کے مفہوم میں خاصی وسعت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ نَفَقَتِ الدَّرَاھِمُ کی طرح نفق الفرس بھی مستعمل ہے۔ گویا کسی کام میں اپنی جان‘ اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کو کھپانا اور اوقات کا صرف کرنا‘ انفاق کا لفظ ان سب کو محیط ہے۔ اس لئے کہ رزق بھی ایک نہایت وسیع اصطلاح ہے۔ انسان کو جو کچھ دیا گیا ہے وہ اس کا رزق ہے۔ اس کا نصیب‘ اس کی ذہانت‘ اس کی صلاحیتیں‘ یہ سب رزق میں شامل ہیں۔ کوئی بھاگ دوڑ زیادہ کر سکتا ہے‘ کوئی منصوبہ بندی بہتر کر سکتا ہے۔ آج کے دور میں علمِ معاشیات نے جو وسعت اختیار کی ہے‘ اس کے اعتبار سے اب یہ بات معروف ہے کہ یہ سب چیزیں capital یعنی سرمایہ شمار ہوتی ہیں۔ انہی صلاحیتوں سے تو سرمایہ کمایا جاتا ہے۔ یہ interconvertible ہیں۔ لہٰذا انفاقِ مال میں بذلِ نفس یعنی انفاقِ نفس بھی شامل ہے۔ جو کچھ انسان کو دیا گیا ہے اس میں سے ایک قابلِ ذکر حصہ اللہ کی راہ میں لگائے اور کھپائے۔ یہ گویا کہ علاج بِالضّد ہے کہ جس چیز سے محبت ہے اسی کو خرچ کرو اور اللہ کے راستے میں لگا دو۔

یہی بات چوتھے پارے کے آغاز میں بیان ہوئی ہے: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ کہ تم نیکی اور وفاداری کا مقام حاصل کر ہی نہیں سکتے جب تک کہ خرچ نہ کرو وہ چیز جو تمہیں محبوب ہے‘ جسے تم پسند کرتے ہو۔ یہی بات آیۃ البر میں ایک مختلف اسلوب میں بیان ہوئی ہے: ﴿وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ﴾ کہ انسان مال کو خرچ کرے اس کی محبت کے علی الرغم۔

حسرت بوقتِ مرگ

یہاں سورۃ المنافقون کے آخری حصّہ میں نقشہ کھینچا گیا ہے کہ ایک بڑا حسرت کا وقت آئے گا جب انسان کفِ افوس ملے گا کہ اے کاش! میں اس مال کو اللہ کی راہ میں صدقہ کرسکتا۔ آج یہ لوگ دونوں ہاتھوں سے مال جمع کر رہے ہیں' گھروں کی آرائش و زیبائش پر بے تحاشا خرچ ہورہا ہے' ان میں نا معلوم کہاں کہاں سے فرنیچر اور کراکری جمع کی گئی ہے' یہ سب چیزیں انسان کو بڑی محبوب ہیں ﴿وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَا﴾ (التوبہ :۲۴) لیکن ایک وقت آئے گا جس کے بارے میں سورۃ القیامہ میں ہم پڑھ چکے ہیں ﴿وَظَنَّ اَنَّہُ الْفِرَاقُ﴾ کہ وہ فراق کا وقت ہوگا۔ مال و دولت اور جائیداد سب کو چھوڑ کر جانا ہوگا' یہاں سے نکلنا ہوگا' اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے بھی تعلق منقطع ہوکر رہے گا' اہل و عیال سے بھی جدا ہونا پڑے گا' اُس وقت انسان حسرت سے کہے گا: ﴿رَبِّ لَوْلَا اَخَّرْتَنِیْ اِلٰی اَجَلٍ قَرِیْبٍ﴾ کہ اے ربّ! کیوں نہ تُو نے مجھے ذرا اور مہلت دے دی! تُو اگر ذرا اس وقت کو ٹال دیتا ﴿فَاَصَّدَّقَ﴾ پھر میں یہ سب کچھ تیری راہ میں دے دوں' سارا مال صدقہ کردوں ﴿وَاَکُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ○﴾ اور میں بالکل سچائی اور صداقت کی راہ اختیار کرلوں۔ کاش مجھے تھوڑی سی مہلت اور مل جاتی تو میں صالحین میں سے ہوجاتا!! اس وقت بس یہی ایک حسرت ہوگی' لیکن اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ کی یہ سنّتِ ثابتہ ہے کہ جب کسی کا وقتِ معیّن آجائے تو پھر اسے مؤخر نہیں کیا جاتا۔ ﴿وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُھَا﴾ امتحان کا وقت ختم ہوچکا' اب تو نتیجے کے نکلنے کا انتظار کرو! —— اور آخری تنبیہ کردی گئی کہ ﴿وَاللّٰہُ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○﴾ ''اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ تم کرتے ہو''۔ اس وقت کی یہ جزع فزع اور نالہ و شیون بھی فی الحقیقت منافقانہ ہوگی۔ اگر کہیں بالفرض کوئی مہلت مل بھی جائے تو پھر دوبارہ مال کی محبت عود کر آئے گی اور پھر تم اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کنی کتراؤ گے۔

منافقت سے متعلق بنیادی اور تمہیدی مباحث پر گفتگو کرتے ہوئے ہم نے سورۃ

التوبہ کی وہ آیت پڑھی تھی جس میں واضح نقشہ کھینچا گیا ہے کہ کچھ لوگ ہیں کہ جو یہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ اگر ہمیں کشادگی اور غنا عطا فرمائے اور مال و دولت سے نوازے تو ہم اس کی راہ میں صدقہ و خیرات کریں گے' لیکن جب اللہ نے انہیں وہ سب کچھ دے دیا جو انہوں نے مانگا تھا تو اب وہ اس میں بخل سے کام لے رہے ہیں اور اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات پر آمادہ نہیں ہیں۔ فرمایا: ﴿فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوْبِهِمْ﴾ تو اس بدعہدی کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا۔ تو اللہ ان منافقین کے ظاہر اور باطن دونوں سے واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اگر کہیں بالفرض انہیں مہلت مل جائے تو پھر بھی یہ وہی کچھ کریں گے۔ جیسے کہ سورۃ الانعام میں فرمایا: ﴿وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ کہ اگر ان کو لوٹا دیا جائے' ایک موقع اور دے دیا جائے تب بھی یہ ان حرکتوں کا اعادہ کریں گے جن سے انہیں روکا جاتا ہے۔ یقیناً یہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربِّ العالمین

مرکزی **انجمن خدّام القرآن** لاھور

کے قیام کا مقصد

منبع ایمان — اور — سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم

کے **علم و حکمت** کی

وسیع پیمانے — اور — اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ھے

تاکہ اُمّتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں **تجدیدِ ایمان** کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اِسلام کی نشأۃِ ثانیہ — اور — غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ